محدث

دار التالیف والترجمہ ریوڑی تالاب بنارس

★

عدد مسلسل ۷۸ ◎ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ ◎ جولائی ۱۹۸۹ء

AsliAhleSunnet.com

محدث

شمارہ نمبر ۷	جولائی ۱۹۸۹ء	ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ	جلد نمبر ۷

اس شمارہ میں

حج کا تعبدی پہلو — ڈاکٹر عبدالرحمن الفریوائی — ۲

آزاد ہندوستان اور مسلمانوں کی دینی تعلیم، مولانا عبدالوہاب حجازی — ۴

حج کا مہینہ ۔ مولانا سید داؤد غزنوی رح — ۹

علوم وفنون میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب، ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری — ۲۷

فکرِ شاعر اور امرِ واقعہ — ۴۷

مدیر

عبدالوہاب حجازی

پتہ

دارالتالیف والترجمہ

بی ۱۸/۱ جی ریوڑی تالاب

وارانسی

بدل اشتراک

سالانہ تیس روپے۔ فی پرچہ تین روپے

AsliAhleSunnet.com

کتاب وسنت کی روشنی میں

حج کا تعبدی پہلو

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ (الیٰ) وَلَاجِدَالَ فِي الْحَجِّ

حج کے لئے چند مہینے مقرر ہیں (یعنی شوال، ذی القعدہ، اور عشرہ ذی الحجہ) جو کوئی ان میں حج کو اپنے ذمہ لے وہ جماع نہ کرے، فسق نہ کرے، اور نہ حج میں (جدال) جھگڑا کرے۔

حج اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے، اس اہم فریضہ کی ادائیگی کے لئے ذی الحجہ کے مخصوص ومتعدد ایام ہیں، اس فریضہ سے سبکدوش ہونے کے لئے عام مسلمانوں میں جو جوش وجذبہ اور ذوق وشوق پایا جاتا ہے۔ وہ دوسری عبادتوں میں کم نظر آتا ہے۔

ادھر کچھ دنوں سے بعض مخصوص طرز فکر کے اہل قلم کے یہاں حج جیسی اہم عبادت اور مناسک کو عالمی اجتماع مؤتمر اور کانفرنس کا نام دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے حج صرف ایک اہم عبادت اور فریضہ ہے اور اس کے مخصوص ایام، ایام ذکر وعبادت ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح حج کیا اگر مسلمان ان مناسک کے مطابق حج کر لیں تو یہ بہت بڑی کامیابی اور سرخروئی کی بات ہے۔

دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے حجاج کی دینی واعتقادی اور ثقافتی زندگی کے جائزے کے بعد جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اس اہم عبادت کے ایام کو ہر طرح کے شور وہنگاموں سے دور رکھ کر ان کی اعتقادی وعملی اصلاح کی کوشش کی جائے۔

ان ایام کے بارے میں مسلسل یہ تاثر دینا کہ یہ مسلمانوں کی عالمی مؤتمر ہے جس میں ان کے دینی ودنیاوی اور سیاسی واقتصادی ومعاشرتی امور پر غور وفکر کرنا نہایت ضروری ہے یہ فی الحقیقت اس اہم عبادت میں رخنہ اندازی ہے۔

اب تو صورت یہاں تک جا رسید کہ جگہ جگہ حرمین شریفین میں اصلاحات کے مطالبوں پر مشتمل کانفرنسیں

AsliAhleSunnet.com

اور موتمرات منعقد کی جا رہی ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر حرمین شریفین کے امن و امان کو تہ و بالا کر دینے کی دشمنان اسلام کی خطرناک سازش اور ان سازشوں اور فتنہ اندازیوں پر اصرار کے مناظر و مظاہر بھی دیکھنے میں آگئے۔

بات عالمی اسلامی موتمر سے چلی تھی جو مسلح کارروائی تک جا پہنچی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان ایام میں مسلمانوں کو ہر اس کام سے اجتناب کرنا چاہیئے جس سے اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں رخنہ اندازی کا اندیشہ ہو۔

حج میں جدال سے منع کیا گیا ہے، عربی زبان میں جدال گفتگو اور مخاطبت ہی کا ایک نام ہے۔ اللہ رب العزت نے اس عورت کے جدل کو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنا قضیہ لے کر گئی تھی (حوار) یعنی گفتگو سے تعبیر کیا ہے اس کے باوجود فریضۂ حج کے دوران جدال سے منع کر دیا گیا ہے۔ اس لئے موسم حج کو اسلام اور مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے عالمی کانفرنس اور موتمر کا نام دینا اور پھر بعد میں اس نام پر حرمین شریفین کے امن و امان کو برباد کرنے کی کوشش کرنا غیر اسلامی طرز فکر ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ساری دنیا کی اسلامی تنظیمیں اور باشعور اہل علم و فکر اس اہم عبادت کے موسم کو ہر طرح کے عبادت و ریاضت کے منافی اعمال سے پاک کرنے کے اقدامات کریں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان: خذوا عنی مناسککم پر عمل کرتے ہوئے حج کے صحیح مناسک کو خود سیکھیں اور اپنے حلقہ اثر کے حجاج کو سکھائیں اور توحید کے اعلان و اقرار، اور شرک و مظاہر شرک سے اعلان برائت کے بعد دوبارہ شرک و بدعات سے اجتناب میں عام مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے انھیں دین کی بنیادی تعلیمات سکھائیں تاکہ حقیقی معنوں میں اس فریضہ سے سبکدوش ہونے والا امت کا یہ جم غفیر رب کی مغفرت کا مستحق ہو اور اپنے اپنے دیار میں موحد اور مغفور واپس آئے اور توحید پر اس کی بقیہ زندگی گذرے اور اس پر اس کا خاتمہ ہو۔

ڈاکٹر عبدالرحمن بن عبدالجبار الفریوائی
استاذ حدیث جامعہ سلفیہ، بنارس

AsliAhleSunnet.com

افتتاحیہ

آزاد ہندوستان اور مسلمانوں کی دینی تعلیم

تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام کے خلاف صف آرائی میں ایسی ایسی جماعتیں شریک ہو گئیں جو اغراض و تاریخی پس منظر کے لحاظ سے کلی طور پر باہم مختلف تھیں اس سلسلہ میں یہودیت کا نصرانیت سے اور ان دونوں کا اشتراکیت وشیوعیت سے گٹھ جوڑ ہوا اور اپنے متضاد اصول و مقاصد کے باوجود اسلام کے مقابلہ میں متحدہ طور پر صف آرا ہو گئے اور تاریخ کے مختلف ادوار میں اپنے اس اتحاد سے مسلمانوں کو بھاری نقصان پہونچایا۔ تاریخ کے اس حصہ پر جب نظر جاتی ہے تو قرآن کریم کے ارشاد کی معنویت ذہن میں ابھرتی ہے کہ: والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض، "جن لوگوں نے کفر کا راستہ اپنایا ہے وہ باہم ایک دوسرے کے دوست و معاون ہیں"، کفر و شرک وہ قدر مشترک ہے جو ان میں پائی جاتی ہے۔ اور اس کے تحفظ کے لئے ہوا پرستوں نے اسلام کو نشانہ بنایا۔

آج کی متمدن دنیا میں ذہن سازی اور تعلیم کی بڑی اہمیت ہے، سامراجی طاقتیں ملک فتح کرنے کے بجائے ذہن و فکر کو اپنے رخ پر ڈھالتی ہیں۔ اس کے بعد وہ کام ان سے لیا جا سکتا ہے جو ملکی و فوجی تسلط اور غلبہ کے بعد بھی نہیں لیا جا سکتا ہے، اسی مفہوم کو لسان العصر اکبر الہ آبادی نے اس طرح باندھا ہے:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اور شاعر مشرق علامہ اقبال اس تصور کی تعبیر اس طرح کرتے ہیں:

تعلیم کی تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

انگریزوں کے دور میں دینی تعلیمی اداروں کے بقا کے محرکات و عوامل آج سے بالکل مختلف تھے اور عام طور پر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ سامراجی حکومت ختم ہو جانے کے بعد ممکن ہے کہ مسلمانوں کی دینی تعلیم کا

AsliAhleSunnet.com

مسئلہ کسی مناسب صورت میں حل ہو جائے اور دو مختلف نظام تعلیم (سرکاری وغیر سرکاری) کو برقرار رکھنے کی ضرورت نہ پیش آئے۔ لیکن ملک کی آزادی کے بعد کچھ ایسے نئے محرکات وعوامل پیدا ہو گئے جنھوں نے ان اداروں کی بقا اور تحفظ کو ضروری قرار دیا بلکہ حالات کا اندازہ رکھنے والوں نے یہ وضاحت کی کہ آزاد ہندوستان میں دینی تعلیم کے پرائیویٹ اداروں کا برقرار رکھنا غلام ہندستان کے مقابلہ میں زیادہ ضروری ہے اس لئے کہ ملک کی آزادی کے بعد جو تعلیمی پالیسی بھی اختیار کی گئی اس کی بلاواسطہ یا بالواسطہ زد مسلم دینی تعلیم پر پڑی، یہاں تک کہ عام طور پر یہ واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کو تہذیبی وثقافتی کشمکش کا سامنا ہے جس میں کامیابی کے لئے اور اپنے ثقافتی وجود کو برقرار رکھنے کے لئے انھیں اپنے طور پر بہت کچھ کرنا ضروری ہے۔

آزاد ہندوستان میں جو مسلمان موجود تھے انھوں نے آزادی کے ہنگاموں کے بعد اس کا عزم مصمم کر لیا کہ وہ ہندستان میں پرسکون طور پر ایک معزز شہری بن کر رہیں گے۔ اسی لئے ناہموار حالات کے باوجود انھوں نے ملک کی مختلف سرگرمیوں میں حصہ لیا اور اپنی فکری وجسمانی صلاحیتوں سے ملک کی تعمیر نو میں ہاتھ بٹانا شروع کیا۔ آزادی کی بیالیس سالہ مدت میں ان کے اس نوعیت کے کارنامے خاصی تعداد میں موجود ہیں، ملک کے دستور نے بھی اس نوعیت کے ان کے رجحان کا ساتھ دیا۔ اور غیر مسلم مفکرین اور رہنماؤں کے ایک طبقہ نے ہمیشہ اس امنگ و آرزو میں ان کا ساتھ دیا۔ چنانچہ مذہبی تعلیم کے لئے انھوں نے مختلف ادارے بنائے اور اپنے تہذیبی تحفظ کے لئے مختلف کوششیں کیں اور ساتھ ہی سیاسی وثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لیا۔

لیکن افسوس سے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ تعمیر وترقی کی ان کی تمنائیں برنہ آسکیں اور ملک میں مختلف طبقوں کی طرف سے ایسا ماحول بنانے کی کوشش کی گئی جس میں معزز شہری کی حیثیت سے مسلمانوں کا زندہ رہنا مشکل ہو گیا۔ یہ صورت حال دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے اس لئے ملک کی مسلم آبادی جو دنیا کی مسلم آبادی میں نمایاں ہے، بے اطمینانی ومایوسی کا شکار ہوتی جارہی ہے، مسلمانوں کے سامنے سب سے اہم مسئلہ جان ومال کے تحفظ کا آیا۔ اس صورت حال کو مختلف وعدوں کے باوجود حکومت کے ذمہ دار اب تک بدل نہیں سکتے ہیں اور مسلمانوں میں وہ اطمینان واعتماد بحال نہیں کر سکے ہیں جس کی ملک کی تعمیر وترقی میں ضرورت ہوتی ہے۔ فسادات کا مسئلہ چونکہ ہمارا موضوع بحث نہیں ہے اس لئے ہم اس پر مزید گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔

AsliAhleSunnet.com

دوسرا مسئلہ جس کے سلسلہ میں مسلمانوں کی بے اطمینانی دن بدن بڑھتی جارہی ہے وہ بنیادی دینی تعلیم کا مسئلہ ہے۔ ملک کے دستور کی رو سے مسلمانوں نے بجا طور پر یہ یقین کیا تھا کہ آزاد ہندستان میں انھیں اپنے مذہب اپنی تہذیب اور اپنی ثقافت کے تحفظ و ترقی کا پورا پورا اختیار و موقع حاصل رہے گا اور ملک کی دیگر مذہبی اکائیوں کی طرح وہ بھی ایک اکائی بن کر زندہ رہیں گے اور ساتھ ہی ساتھ ملک کی تعمیر و ترقی میں دوسرے لوگوں کے دوش بدوش آگے بڑھیں گے لیکن مختلف اوقات میں مختلف تعلیمی پروگراموں کے ذریعہ حکومت کی جو عملی پالیسی سامنے آئی اس کے پیش نظر مسلمانوں کی یہ یقین آگیا کہ دستور نے مذہبی و ثقافتی مسئلہ میں انھیں جو آزادی دے رکھی ہے اسے عملی طور پر نافذ کرنے میں ملک کی آبادی کا ایک بڑا حصہ حارج و مانع ہے۔ شروع میں یہ چیز کچھ دھندلی رہی لیکن پھر بھی مسلمانوں نے اپنے مذہب و ثقافت سے محبت کی بنیاد پر اپنے محدود وسائل کے پیش نظر ایسی کچھ تدبیریں اختیار کیں جن سے وہ اپنے ثقافتی سرمایہ اور مذہبی ذہن کو محفوظ رکھ سکیں اور اس سلسلہ میں انھوں نے وسیع پیمانہ پر مذہبی تعلیم کے پرائیویٹ ادارے قائم کئے اور ان کے اخراجات کو اپنی جیب خاص سے دشواریاں اٹھا کر پورا کیا۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا یہ بات واضح طور پر سامنے آتی گئی کہ مسلم اقلیت کے سلسلہ میں حکومت کے ذمہ داروں کا نقطہ نظر عدل و انصاف اور رواداری پر مبنی نہیں ہے۔ خصوصیت کے ساتھ تعلیمی مسئلہ پر ایسی نئی الجھنیں مسلمانوں کے سامنے آئیں جن کی بنیاد پر انھیں یقین ہوگیا کہ جس طرح غلام ہندوستان میں مذہب و ثقافت کی جنگ قائم تھی اسی طرح آزاد ہندستان میں بھی انھیں اس میدان میں سخت جد و جہد اور منصوبہ بند اقدامات کی ضرورت ہے۔ جبری تعلیم، اردو کے سلسلہ میں حق تلفیاں، تاریخی شخصیتوں کے کردار میں توڑ مروڑ اور اس طرح کے متعدد واقعات سامنے آئے جن سے یہ واضح ہوگیا کہ ملک کی اقلیتوں میں سے ایک خاص اقلیت کو ان حملوں کا نشانہ بنایا جارہا ہے اور اس کے مذہبی و ثقافتی تشخص کو ملیامیٹ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے انھیں حالات کے پیش نظر دینی تعلیمی کونسل کی تشکیل عمل میں آئی جس نے بنیادی تعلیم کی حد تک اہم کردار ادا کیا اور اپنی کوششوں کے ذریعہ مکاتب کی سطح تک خاطر خواہ دینی تعلیم کے انتظام کو آسان بنا دیا۔ حکومت سے جن معاملوں کا تعلق تھا ان کو جد و جہد کے ذریعہ منوایا یا اس کی کوشش کی اور آج بھی یہ کونسل سرگرم عمل ہے۔

AsliAhleSunnet.com

مسلمانوں کے دینی تعلیمی اداروں کو اب تک جو حقوق حاصل تھے ان کے پیش نظر مسلمان کسی نہ کسی حد تک مطمئن تھے اور یہ محسوس کر رہے تھے کہ اپنی کوششوں کے ذریعہ اپنے مذہب و ثقافت کا تحفظ کر لے جائیں گے۔ لیکن تھوڑے دنوں قبل بعض ایسے نئے قوانین کا تذکرہ کیا گیا جن کی رو سے مسلمانوں کے دینی تعلیمی ادارے آزاد اور خود کفیل نہیں رہ سکیں گے۔ نئی تعلیمی پالیسی میں مختلف جہتوں سے مختلف بندھنوں کے ذریعہ انھیں اس طرح باندھنے کی کوشش کی گئی کہ وہ ادارے اپنی مقصدیت و فعالیت کو مکمل طور پر کھو دیں اور مسلمانوں کے مذہبی و ثقافتی تشخص کو برقرار رکھنے کے سلسلہ میں کوئی کردار ادا نہ کر سکیں۔ ذمہ داران کی بعض وضاحتوں سے یہ اندازہ ضرور ہوا ہے کہ مسلمانوں کے جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے حکومت فی الحال ایسا کوئی قانون ان کے اوپر نافذ نہیں کرنا چاہتی جس سے ان کی دینی تعلیمی آزادی میں کسی طرح کا خلل پیدا ہو۔ لیکن نام نہاد قومی صحافت میں اقلیتی تعلیمی اداروں کے تعلق سے جن خیالات و رجحانات کا ذکر آتا ہے اسی طرح آزادی کی تقریبًا نصف صدی کی مدت میں مسلمانوں کے ساتھ جس طرح کا سلوک روا رکھا گیا ہے اس کے پیش نظر ہر باغیرت مسلمان کا یہ اندیشہ حق بجانب ہے کہ ہماری دینی و ثقافتی حیثیت پورے طور پر زد میں ہے اور کسی بھی وقت مسلم تعلیمی اداروں کو حکومت اپنی گرفت میں لے سکتی ہے۔

ہمارا فرض

اس صورت حال کے پیش نظر مسلم زعماء و قائدین، علماء دین نیز عوام کا یہ فرض ہے کہ وہ صورت حال کا صحیح طور پر اندازہ کریں اور اپنے محدود وسائل کو بصیرت اور منصوبہ بندی و نیک نیتی کے ساتھ کام میں لے آئیں اور وقت کا جہاد سمجھتے ہوئے مذہبی و ثقافتی آزادی کو برقرار رکھنے کی کوشش کریں قلت و کثرت کی منطق اس طرح کے تاریخی موڑ پر کام نہیں آتی۔ صرف اخلاص اور نیک نیتی سے کی گئی جد و جہد ہی کسی قوم کو اس کی بقا اور تحفظ کی ضمانت دے سکتی ہے۔ مذہبی و ثقافتی تشخص و تحفظ کے سلسلہ میں بات کرتے ہوئے یہ پہلو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ مذہب اسلام کے اپنے سرمایہ کو مسلمان ہندوستان میں اور کسی بھی دوسرے ملک میں اسوقت تک برقرار نہیں رکھ سکتا جب تک اسے اپنے مذہب سے صحیح تعلق و محبت اور اس پر پورے طور پر عمل پیرا ہونے کا صحیح جذبہ نہ ہو۔ مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ موجودہ کشمکش میں برادران وطن سے آگے بڑھنے کا پاکیزہ جذبہ ضرور

AsliAhleSunnet.com

رکھنا ہے لیکن عملی میدان میں جس اخلاص وبصیرت اور پیہم جدوجہد کی ضرورت ہے اس سے اس کا دامن خالی ہے صدرِ اول کے مسلمانوں نے صبر آزما اور کٹھن حالات میں اپنے مذہب اور ثقافت کو باقی رکھنے کے لئے صرف زبانی باتوں اور ذہنی تجاویز اور منصوبوں سے کام نہیں لیا تھا۔ بلکہ ان کے پاس دینی تعلیمات پر عمل کی ایسی قوت اور جذبہ تھا جس نے ان کے ہر اقدام کو کامیابی سے ہمکنار کیا، اور دین وعلم کی امانت کا تحفظ کرنے میں وہ پورے طور پر کامیاب ہوئے۔ ہم اسوقت جس تہذیبی ٹکراؤ کا سامنا کر رہے ہیں اس میں دین کے تحفظ کے لئے ہمارے اندر قربانی کا جذبہ ہونا چاہیئے اور ہر فرد کو اپنے گھر اور خاندان کی حد تک دینی تعلیم کی اس طرح پابندی کرنی چاہیئے کہ مخالفین کی کوششوں کے باوجود کوئی بھی مسلمان بچہ دین کی بنیادی تعلیمات اور اس کے ضروری احکام سے ناواقف نہ رہے۔

دینی تعلیم کے تحفظ کی اہمیت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ ملک کی تمام مسلم جماعتیں اور ان کے مختلف طبقات متحدہ طور پر مخالفین اسلام کی ریشہ دوانیوں کے مقابلہ کی کوشش کریں اور اس کے لئے مشترکہ پلیٹ فارم بنائیں لیکن اگر کسی وجہ سے ہمہ گیر اتحاد اور متفقہ منصوبہ نہ بن سکے تو بھی مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ جن اکائیوں میں وہ بٹے ہوئے ہیں ان کے اپنے دائرۂ کار میں وہ کوشش کریں اور اپنے مذہبی وثقافتی سرمایے کو محفوظ رکھنے کے لئے جن اقدامات کی ضرورت ہے انھیں عمل میں لے آئیں، کیونکہ انتظار کا وقت ختم ہو چکا اور آزمائش کا مرحلہ ملت کے سامنے ہے۔

جامعہ سلفیہ کے وفد کی بنارس واپسی

جامعہ کی مختلف تعلیمی وثقافتی ضرورتوں کے پیش نظر رمضان المبارک میں ایک وفد سعودی عرب کے دورے پر گیا، یہ وفد ڈاکٹر عبد الرحمٰن بن عبد الجبار الفریوائی استاذ جامعہ، اور مولوی عبد اللہ سعود رکن مجلسِ منتظمہ پر مشتمل تھا، جامعہ کے ناظم اعلیٰ مولانا عبد الوحید صاحب سلفی حفظہ اللہ کی ہدایت کے مطابق وفد نے مکۃ المکرمہ، مدینہ منورہ اور ریاض کا دورہ کیا، اور وہاں پر علماء ومشائخ کیساتھ تعلیمی ودعوتی مسائل، اور خصوصیت کے ساتھ نصاب تعلیم کے موضوع پر تبادلۂ خیال کیا، وفد نے واپسی پر جامعہ کے ذمہ داران واراکین کو دورے کی رپورٹ پیش کی جس پر سب لوگوں نے اطمینان کا اظہار کیا۔

(ادارہ)

AsliAhleSunnet.com

حج کا مہینہ

مولانا سید داؤد غزنویؒ

واذ بوّانا لابراھیم مکان البیت ان لا تشرک بی شیئا وطھر بیتی للطائفین و القائمین والرکع السجود واذّن فی الناس بالحج یاتوک رجالاً وعلی کل ضامر یأتین من کل فج عمیق (الی) فھو خیر لہ عند ربہ (الحج ع ۴)

آیت کا ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے ابراہیم کیلئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کی اور حکم دیا کہ ہمارے ساتھ کسی چیز کو شریک خدائی نہ کرنا اور ہمارے اس گھر کو طواف اعتکاف اور نماز پڑھنے والوں کیلئے پاک وصاف رکھنا لوگوں میں حج کا اعلان کرو پھر دیکھو کہ لوگ تمہاری دعوت پر کس طرح دوڑے چلے آئیں گے۔ ان میں سے کچھ تو پیادے اور کچھ ہر طرح کی دبلی سواریوں پر (جو دور دراز سے آئی ہوں گی) سوار ہوں گے تاکہ اپنے فائدوں کیلئے بھی موجود ہوں اور خدا نے جو مویشی چارپائے ان کو دی ہیں خاص دنوں میں ان کی قربانی کرتے وقت ان پر خدا کا نام لیں۔ لوگو! قربانی کے گوشت سے آپ بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ لوگوں کو بھی کھلاؤ۔ پھر لوگوں کو چاہیئے کہ قربانی کے بعد اپنا میل کچیل (جو احرام کے دنوں میں بدن پر جم گیا ہو) اتار دیں اور خدا کے پرانے گھر (خانہ کعبہ) کا طواف کریں یہ اور اس کے علاوہ جو شخص قابل احترام چیزوں کی تعظیم کریگا تو اس کے پروردگار کے یہاں اس کے حق میں بہتر ہے۔

اسی لئے اس مہینے کے پہلے عشرے کو جس میں یہ مقدس فریضہ ادا کیا جاتا ہے۔ سال کے باقی ایام پر فضیلت دی گئی اور ان ایام میں عمل صالح کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی محبوب قرار دیا۔

فضائل عشرۂ اولیٰ

ابن عباسؓ سے بخاری اور ترمذی میں روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

AsliAhleSunnet.com

ما من ایام العمل الصالح فیھا احب الی اللہ من ھذہ الایام قالوا یا رسول اللہ ولا الجھاد فی سبیل اللہ ..... الا رجل خرج بنفسہ ومالہ ثم لم یرجع من ذلک بشیٔ

(بخاری ترمذی)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک عمل صالح کو جو محبوبیت اور مقبولیت اس دنیا میں حاصل ہوتی ہے اور کسی روز میں وہ حاصل نہیں ہوتی، صحابہ نے عرض کیا، حضور! کیا اللہ کے راستے میں جہاد بھی اسقدر محبوب نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا ہاں جہاد کو بھی یہ محبوبیت حاصل نہیں ہوتی سوائے اس شخص کے جو اپنی جان ومال کی حقیر متاع کو اللہ کے راستہ میں لیکر نکلا ہو اور اس نے دونوں چیزوں کو اُسکے راستے میں قربان کر دیا ہو۔

⁂ ⁂ ⁂

سعید بن جبیر کے واسطے سے ابن عباسؓ کی روایت جسے بیہقی نے نقل کیا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ فاکثروا فیھن من التھلیل والتکبیر و ذکر اللہ وان صیام یوم واحد منھا یعدل بصیام سنۃ والعمل فیھن یضاعف بسبع مأۃ ضعف ان دنوں میں " اللہ اکبر" اور " لا الہ الا اللہ"، اور ذکر الٰہی خوب کثرت سے کرو ان دنوں میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر ہے۔ ایک عمل صالح کا ثواب سات سو اعمال حسنہ کے برابر ہے۔

اور امام بخاریؒ نے ابن عباس سے ان آیات کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے کہ " اذکروا اللہ فی ایام معلومات (یاد کرو اللہ کو معلوم اور متعین دنوں میں) سے مراد یہی ذی الحجہ کے دس دن مراد ہیں اور " اذکروا اللہ فی ایام معدودات (یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں) سے مراد ایام تشریق ہیں اور ابوہریرہ اور ابن عمر کا عمل بھی نقل کیا ہے کہ:

یخرجان الی السوق فی الایام العشر ویکبر الناس بتکبیرھا

دونوں بازار کی طرف تشریف لائے تو تکبیر کہتے ہوئے آئے اور ان کے ساتھ دوسرے لوگ بھی تکبیر کہتے۔

غرض ان دس دنوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت، تکبیر و تہلیل اور ذکر الٰہی کی خاص فضیلت اور مقبولیت حاصل ہے۔ اسی واسطے اکثر اہل علم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یہ دس دن سال بھر کے دنوں سے افضل اور رمضان کی آخری دس راتیں سال بھر کی راتوں سے افضل اور جس طرح رمضان کی آخری دس راتوں میں لیلۃ القدر کو خاص فضیلت حاصل ہے اسی طرح ان دس دنوں میں عرفہ کے دن کو خاص شرف حاصل ہے پس عرفہ کے دن کو سال بھر کے تمام دنوں پر اور لیلۃ القدر کو تمام راتوں پر اور جمعہ کے دن کو ہفتہ کے دنوں میں افضلیت حاصل ہے۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ فلاں کام میں سال کے افضل دنوں میں کروں گا یا سال کے سب سے زیادہ فضیلت والے

AsliAhleSunnet.com

دن میں کروں گا، تو اسے علی الترتیب پہلی حالت میں اس مہینہ کے پہلے دن میں اور دوسری صورت میں عرفہ کے دن اور تیسری صورت میں جمعہ کے دن اس کام کو کر کے اپنی نذر پوری کرنی چاہیئے۔ اور علی ہذا القیاس سال کی افضل رات یا راتوں کی نذریں بھی روزہ رمضان کی آخری دس راتوں میں دوسری صورت میں اور لیلۃ القدر میں پہلی صورت میں کرنی چاہیئے۔

اگرچہ تمام اعمال صالح کیلئے ان دنوں میں خاص فضیلت ہے لیکن روزے کا ذکر خاص طور پر آیا ہے جیسا کہ بیہقی کی حدیث مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے اور اس کے علاوہ بھی ابوداؤد اور نسائی میں بعض ازواج مطہرات کی روایت سے ثابت ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصوم تسع ذی الحجۃ یوم عاشوراء — کہ آپ ذی الحجہ کے پہلے نو دن کے اور عاشوراء کے دن کے روزے رکھا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

اس کے متعلق صرف حضرت عائشہ کی ایک روایت قابل غور ہے جیسے مسلم، ابوداؤد، اور ترمذی نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا "میں نے کبھی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان دس دنوں میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا"

حضرت عائشہ کا آپ کو روزہ رکھتے نہ دیکھنا اس بات کی دلیل نہیں کہ حضور نے روزہ نہ رکھا ہو جہت ممکن بلکہ قرین قیاس ہے کہ حضرت عائشہ کو اس کا علم نہ ہوا اور بعض ازواج مطہرات کو علم ہو گیا اور کسی واقعہ کے متعلق بعض کو علم ہونا اور بعض کو نہ ہونا کوئی بعید از قیاس چیز نہیں کیونکہ بعض صحیح روایات میں اس عشرہ میں اعمال صالحہ کی بالعموم اور بالخصوص روزوں کی فضیلت بیان کی ہے اور عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی مزید فضیلت بھی کئی ایک روایات سے ثابت ہے چنانچہ ابوہریرہؓ سے مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ

صوم یوم عرفۃ یکفر سنتین ماضیۃ ومستقبلۃ وصوم یوم عاشوراء یکفر سنۃ ماضیۃ — عرفہ کے دن کا روزہ ماضی اور مستقبل کے دو سالوں کے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اور عاشوراء کے دن کا روزہ ماضی کے ایک سال کا کفارہ ہوتا ہے۔

ہاں یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ عرفہ کا روزہ بھی ان لوگوں کیلئے افضل اور مستحب ہے جو عرفات میں نہ ہوں کیونکہ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نھی عن صوم یوم عرفۃ بعرفۃ عرفہ کا روزہ عرفہ

AsliAhleSunnet.com

میں رکھنے سے منع فرمایا (ابوداؤد)

امام شوکانیؒ اس پر فرماتے ہیں کہ عرفہ کے دن اور اسی طرح عید کے روز اور ایام تشریق میں روزہ رکھنے سے اس لئے منع فرمایا کہ عرفہ کا دن حجاج کیلئے خاص طور پر دعاء اور ذکر الہٰی کا دن ہوتا ہے مبادا کہ ضعف کی وجہ سے دعاء و ذکر الہٰی میں سست پڑ جائیں اور عید کا دن ذکر الہٰی اور کھانے پینے کے دن ہیں۔

نویں تاریخ (یوم عرفہ) کو روزہ رکھنے کے متعلق علماء کا اگرچہ اختلاف ہے لیکن حدیث اپنے مضمون میں بالکل صاف ہے اور اس مسئلہ میں عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا ہے وہ کس قدر پیارا جواب ہے اور ان کے متبع سنت ہونے کا کس قدر روشن ثبوت ہے۔

ممنوعات

جو شخص قربانی دینا چاہے اس کے لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ اپنے بال اور ناخن وغیرہ نہ کٹوائے لیکن سنت کو لوگوں نے بھلا دیا جس طرح اور بہت سی سنتیں متروک ہو گئی ہیں اس طرح یہ بھی مسلمانوں نے چھوڑ دی۔ لوگوں نے اس حدیث کو بھلا دیا اس پر عمل کرنا چھوڑ دیا مجھے خود ام سلمہ زوجہ مطہرہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

من کان لہ ذبح یذبحہ فاذا اھل ھلال ذی الحجۃ فلا یاخذن من شعرہ ولا من اظفارہ شیئا حتی یضحی (مسلم)	جو شخص قربانی دینا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ ذی الحجہ کے چاند کے طلوع ہو جانے کے بعد قربانی کرنے تک اپنے بال اور ناخن نہ لے۔

اس حدیث کے بناء پر امام احمد، اسحاق اور داؤد ظاہری قربانی دینے والے کیلئے قربانی کرنے تک حجامت وغیرہ حرام سمجھتے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ حرام تو نہیں لیکن مکروہ تنزیہی ضرور ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قربانی کیلئے رسی بنایا کرتی جس سے آپؐ اس کے گلے میں قلادہ ڈالتے اور آپ ان قربانیوں کو مکہ بھیج دیتے اور "ولا یحرم علیہ شئ احلہ اللہ لہ حتی ینحر ھدیہ" آپ پر کوئی ایسی چیز حرام نہیں ہو جاتی تھی جس کو اللہ نے آپ کیلئے حلال کر رکھا تھا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ قربانی کا مکہ مکرمہ بھیجنا یہاں پر ارادہ قربانی سے زیادہ اہم ہے اس لئے جن احادیث میں ناخن ترشوانے اور بالوں کی حجامت بنوانے سے منع فرمایا ہے اس کو کراہیت تنزیہی پر محمول کرنا چاہیئے۔ بہرحال جس آزادی سے بلا کسی قسم کی کراہیت کے آجکل بر سر بازار لوگ حجامت بنواتے رہتے ہیں یہ تو کسی طرح قابل تعریف چیز نہیں۔

AsliAhleSunnet.com

میں کہتا ہوں کہ سعید بن مسیب اپنے وقت کے لوگوں پر رنج وافسوس کا اظہار کرتے ہیں جبکہ معاملہ اس سے آگے نہیں بڑھا تھا لیکن آج ترک سنت کی جو حالت ہے وہ معاملہ کہیں کا کہیں جا پہونچا ہے اور مصیبت زیادہ عام اور اشد ہو چکی ہے اسکو دیکھتے تو نہیں معلوم ان کی کیا حالت ہوتی ؟ حق کی غربت سنت کی بے کسی اور مظلومی کو دیکھ کر بے اختیار دل سے یہ آواز نکلتی ہے ۔ اللھم انصر دینک وارفع اعلام سنة رسولك وامحق آثار البدعة والشرك ۔

قربانی کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ یہ واجب ہے یا سنت لیکن احادیث کے دیکھنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مدینہ منورہ رہے قربانی کرتے رہے اور دوسرے مسلمان بھی قربانی کرتے رہے کسی حدیث سے یہ نہیں ثابت ہو سکتا کہ آپ نے قربانی کا وجوباً حکم دیا ہو ۔ چنانچہ عبداللہ ابن عمرؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قربانی واجب ہے ؟ آپ نے جواب دیا ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والمسلمون (نبی علیہ السلام نے قربانی دی اور مسلمان بھی قربانی دیا کرتے تھے ۔ سائل نے جواب ناکافی سمجھ کر وجوب وغیرہ کا لفظ نہ دیکھ کر پھر وہی سوال کیا اس پر حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ تم سمجھتے نہیں کہ میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ حضور نے بھی قربانی دی اور عام مسلمان بھی قربانی دیا کرتے تھے مقصد عبداللہ ابن عمر کا یہ تھا کہ کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں آپ نے حکم دیا ہو صرف آپ کا عمل ثابت ہے کہ آپ نے ہمیشہ قربانی دی ۔

امام ترمذی ابن عمرؓ کا قول اولاً نقل کر کے فرماتے ہیں ۔ والعمل علی ھذا عند اھل العلم ان الاضحیة سنة من سنن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔

ابن ماجہ کی ایک حدیث سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قربانی واجب نہیں ہے ۔ حدیث کا ترجمہ یہ ہے ۔

لوگو ! ہر گھر پر ہر سال میں ایک قربانی ہے ؛

لیکن اس حدیث کے راویوں میں عامر ابو رملہ مجہول راوی ہے اور اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو اس سے مراد یہ ہوگی کہ ہر گھر کی طرف سے ایک قربانی کافی ہوگی نہ کہ ہر شخص کی طرف سے ایک قربانی اور اسکی تائید ابوایوب انصاری کی روایت سے ہوتی ہے ۔ جس میں ہے کہ عطار بن یسار نے حضرت ابوایوب انصاری سے دریافت کیا کہ آپ کے زمانے میں قربانی کس طرح دی جاتی تھی انھوں نے کہا ۔ کہ ایک شخص اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی دیتا اور خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے تا آنکہ لوگوں نے اس میں فخر و ریا شروع کر دی ۔ یعنی

AsliAhleSunnet.com

کثرت سے قربانی دینے لگ گئے یہی قول امام احمد، اسحاق اور امام شافعی کا ہے امام شافعی نے اس حدیث سے "اذا دخلت العشر فاراد احدکم ان یضحی" الحدیث جس کو ہم گذشتہ صفحات میں بھی نقل کر چکے ہیں۔ بھی استدلال کیا ہے کہ قربانی واجب نہیں کیونکہ اس میں قربانی کو ارادے پر معلق کیا ہے اور وجوب ارادہ کے منافی ہوتا ہے اس طرح ابن ماجہ کی دوسری حدیث جس میں عبداللہ بن عیاش منکر الحدیث راوی ہے بھی قابل استدلال نہیں اسکے الفاظ یہ ہیں۔ "من کان له سعة ولم یضح فلا یقربن مصلانا" جس کی گنجائش ہو اور پھر قربانی نہ دے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے۔

عبداللہ بن عیاش کو ابوداؤد، نسائی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ منکر الحدیث اور غلط روایت کرنے والا ہے جیسا کہ علامہ سندھی نے حاشیہ ابن ماجہ میں اور حافظ صاحب نے تقریب التہذیب میں لکھا ہے امام مسلم نے اس سے روایت متابعات اور شواہد میں کی ہے۔ اس لئے اس سے توثیق نہیں ہو سکتی حافظ صاحب نے فتح الباری میں اس روایت کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ اکثر ائمہ حدیث کے نزدیک یہ مرفوع ثابت نہیں بلکہ موقوف ہے اور صحابہ سے مختلف آثار اس مسئلہ میں مروی ہیں اور ابوبکر، عمر، ابو مسعود انصاری عبداللہ بن عباس سے یہی منقول ہے کہ قربانی سنت ہے۔ اس لئے اکثر محدثین کا اس مسئلہ میں یہی فتوی ہے کہ قربانی سنت موکدہ ہے کیونکہ آپ نے ہمیشہ قربانی دی۔

امام احمد کے نزدیک قربانی کی قیمت شمار کر کے غرباء مساکین پر صدقہ کرنا جائز ہے لیکن قربانی افضل ہے۔

قربانی کی فضیلت

اس عمل کی محبوبیت اور فضیلت ذکر کرتے ہوئے آپ نے یہ فرمایا

ماعمل آدمی من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق دم — قربانی کے دن کوئی عمل اللہ کے نزدیک خون گرانے سے زیادہ محبوب نہیں۔

اور جیسا کہ عام طور پر زبان زد عام ہے کہ قیامت کے دن پل صراط پر قربانی کے جانور سواری کا کام دیں گے اس لئے قربانی کے جانور خوب موٹے تازے ہوتے چاہئیں بالکل غلط ہے اس کا کسی حدیث سے ثبوت نہیں مل سکتا۔ حافظ ابن حجر نے تلخیص میں اس مضمون کی ایک حدیث ذکر کر کے بحوالہ ابن الصلاح لکھا ہے کہ یہ حدیث

AsliAhleSunnet.com

جہاں تک ہمیں علم ہے ثابت نہیں اور اس کا کوئی اصل نہیں۔

بہترین قربانی

اس میں شک نہیں کہ موٹی تازی قربانی کو آپ پسند کرتے جیسا کہ حافظؒ نے تلخیص میں یہ مرفوع حدیث نقل کی ہے۔ احب الضحایا الی اللہ اعلاھا اسمنھا خدا کو سب سے زیادہ محبوب قربانی موٹی تازی اور بلند قامت یا عمدہ قسم کی۔

اور بعض علماء نے تو آیت " ومن یعظم شعائر اللہ کی تفسیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ قربانی موٹی اور عمدہ ہو امام بخاری نے بھی "البدن" کی تفسیر میں ایسا ہی ایک قول مجاہد کا نقل کیا ہے۔

ایک حدیث ترمذی اور غالباً سنن ابی داؤد میں بھی ہے کہ " خیر الاضحیۃ الکبش" بہترین قربانی دنبہ ہے یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہے لیکن آپ کا عمل یہی رہا جیسا کہ اکثر اہل سنن نے حضرت انس کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ:-

ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکبشین اقرنین املحین ذبحھما بیدہ وسمی وکبر۔ آپ نے دو دنبوں کی قربانی کی دونوں سینگ والے اور چت کبرے تھے۔ دونوں کو آپ نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا۔

اور حضرت علیؓ سے ترمذی میں ایک روایت ہے کہ آپ ہمیشہ دو دنبوں کی قربانی کرتے تھے ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اور ایک اپنے لئے۔ کسی کے سوال کے جواب میں آپ نے کہا" مجھکو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے میں اس کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ اور یہ بھی ثابت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے جس جانور کی قربانی دی تھی وہ دنبہ ہی تھا۔ اس لئے اکثر علماء نے کہا ہے کہ بہترین قربانی دنبہ ہے۔

قربانی کے مثبت اور منفی اوصاف

بھیڑ یا دنبہ کی قربانی کی جائے تو کم از کم ایک سال کا ہونا چاہیئے بکری کم از کم دو سال کی، گائے تین سال کی اور اونٹ کم از کم پانچ سال کا ہونا چاہیئے۔ اس کے علاوہ جس قدر مثبت اوصاف ہونے چاہئیں ان کو ہم " بہترین قربانی" کے ذیل میں لکھ چکے ہیں۔

اور کسی ایسے جانور کی قربانی نہ دی جائے جس کی ایک بھی آنکھ ضائع ہو چکی ہو، یا ایسی لنگڑی جس کا لنگڑا پن ظاہر اور نمایاں ہوں۔ اور چلنے پر اچھی طرح قدرت نہ رکھتی ہو۔ یا ایسی کمزور جس کی ہڈیوں کا گودا ضائع

AsliAhleSunnet.com

ہو چکا ہو۔ یا ایسی بیمار جو کھانے پینے چرنے چگنے سے رہ گئی ہو۔ یا جس کا سینگ بالکل ٹوٹ گیا ہو یا جس کا کان سارے کا سارا کٹ گیا ہو۔

اور دوسری روایت حضرت علیؓ نے ان الفاظ کیساتھ بیان کی ہے۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يضحى باعضب القرن والاذن (ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ سینگ یا کان کٹے جانور کی قربانی کی جائے۔

اس روایت میں جو لفظ اعضب ہے اس کے متعلق قتادہ نے سعید بن مسیب سے دریافت کیا کہ اس لفظ سے کیا مراد ہے تو انھوں نے فرمایا۔

العضب ما بلغ النصف ! جس کا کان یا سینگ نصف یا نصف سے زائد کٹ جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ معمولی عیب قربانی میں نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ اور پہلی حدیث کے الفاظ میں بھی یہ لفظ موجود ہے۔ "بیّن" یعنی جس میں یہ نقائص (مذکورہ بالا) واضح ہوں اسی لئے اکثر محدثین نے اس کی تصریح کی ہے کہ معمولی نقص یا عیب والے جانور کی قربانی جائز ہے۔ اور اگر قربانی کیلئے جانور خرید لیا جائے بعد میں کسی وجہ سے اس کو نقصان پہنچ جائے تو اس کی قربانی کی جا سکتی ہے۔ مثلاً حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دنبہ قربانی کیلئے خریدا۔ ایک بھیڑیئے نے حملہ کر کے ایک چکی کاٹ لی۔ اس واقعہ کو پیش کر کے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک اس کی قربانی کر لو۔

ذبح کرنا

ذبح کس جگہ کیا جائے اور کس طرح کیا جائے؟ پہلے سوال کا جواب عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے مل سکتا ہے جیسے ابو داؤد نے سنن میں روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز عید سے فارغ ہونے کے بعد عیدگاہ میں ہی قربانی کے جانور ذبح کیا کرتے تھے۔

لیکن جہاں تک عام روایات سے پتہ چلتا ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام بالعموم عیدگاہ میں ذبح نہیں کیا کرتے تھے۔ اور اسی چیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے امام داؤد نے اس حدیث سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے۔

" باب الامام یذبح بالمصلی "، کہ امام عیدگاہ میں ذبح کرے۔ تو معلوم ہوا کہ امام کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ نماز کے بعد عیدگاہ میں ہی ذبح کرے اور لوگ اپنی قربانیوں کو ذبح کریں اور یہی مسئلہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں لکھا ہے اور یہی امام مالک سے نقل کیا ہے اور ابن وہب کے واسطے سے امام مالک کا یہ

AsliAhleSunnet.com

یہ قول بھی ذکر کیا ہے۔ آپ اس لئے عیدگاہ میں ذبح کرتے تاکہ آپ سب سے پہلے کریں اور لوگوں میں اعلان ہو جائے کہ قربانی کا وقت شروع ہو گیا۔

قربانی کی دعاء

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض علی ملة ابراهیم حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین. لا شریك له وبذلك امرت وانا من المسلمین. اللهم منك ولك بسم الله الله اکبر. میں نے اپنے منہ کو اس ذات پاک کی طرف متوجہ کیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور ایسی حالت میں متوجہ ہوتا ہوں کہ میں تمام ادیان سے منہ پھیر کر دین ابراہیمی پر قائم ہوں اور شرک سے بیزار ہوں، میری نماز، قربانی، زندگی اور موت سب اللہ کے لئے ہے اور اسی کا مجھکو حکم ملا ہے اور میں اپنے خدا کا فرمان بردار غلام ہوں یا اللہ! یہ جانور تیرا ہی دیا ہوا ہے اور تیرے ہی نام پر اس کو ذبح کرتا ہوں، اس کے بعد "بسم اللہ اللہ اکبر" کہہ کر ذبح کرے۔

قربانی کے جانور: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی، عقیقہ ہمیشہ انھیں آٹھ قسم کے جانوروں میں سے کیا ہے جن کی تفصیل سورہ انعام میں موجود ہے۔

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ استنباط پیش کیا ہے جو انھوں نے مندرجہ ذیل آیات سے کیا ہے سورہ حج میں ایک جگہ فرمایا ہے:۔

"ولکل امة جعلنا منسکا لیذکروا اسم الله علی ما رزقهم من بهیمة الانعام (۲۲۔ع۵) اور ہر ایک امت کیلئے ہم نے قربانی قرار دی تاکہ خدا نے جو ان کو مویشی چارپائے دے رکھے ہیں قربانی کرتے وقت ان پر خدا کا نام لیں، اس آیت میں یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کے جانوروں کے لئے لفظ "بهیمة الانعام" بولا گیا ہے۔ اسی طرح اس سے پہلے سورہ حج کے رکوع تین میں فرمایا علی ما رزقهم من بهیمة الانعام فکلوا منها واطعموا البائس الفقیر" خدا کا نام لیں ان چارپاؤں مویشیوں پر جو خدا نے ان کو دے رکھے ہیں۔ لوگو! قربانی کے گوشت سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج

AsliAhleSunnet.com

کو بھی کھلاؤ۔

اس آیت سے بہ کمال وضوح یہ ثابت ہوا کہ قربانی کے جانور وہی ہیں جس کے لئے قرآن مجید میں بھیمۃ الانعام کا لفظ بولا جاتا ہے۔

اب قرآن مجید ہی سے اس لفظ کی تشریح تلاش کرتے ہیں تو سورہ انعام رکوع ۱۷ سے اسکی تشریح یہ معلوم ہوتی ہے

ومن الانعام حمولۃ وفرشا، کلوا مما رزقکم اللہ (وقال) ثمانیۃ ازواج من الضان اثنین ومن المعز اثنین (وقال) ومن الابل اثنین ومن البقر اثنین ۔

خدانے یہ چارپائے نر و مادہ آٹھ قسم کے پیدا کئے ہیں۔ (بعض اونٹ کیطرح، بوجھ اٹھانے والے اور (بعض بھیڑ بکری کی طرح) زمین سے لگے ہوئے۔ لوگو! خدانے جو تم کو روزی دی ہے اس میں سے بے تامل کھاؤ پھر فرمایا خدانے یہ چارپائے آٹھ قسم کے پیدا کئے ہیں اور (بھیڑوں میں سے نر و مادہ، دو بکریوں میں سے نر و مادہ، پھر فرمایا۔

دو اونٹوں میں سے نر و مادہ، دو گائے کی قسم میں سے نر و مادہ، لفظ "بھیمۃ الانعام" کی اس قرآنی تشریح کے بعد واضح ہوگیا کہ قربانی انھیں آٹھ قسم کے جانوروں سے دینی چاہیئے حضرت علیؓ کے اس استنباط اور اسی تفسیر کی بنا پر حافظ ابن قیمؒ زاد المعاد میں اور دوسرے محدثین نے یہ لکھا ہے وھی مختصۃ بالازواج الثمانیۃ المذکورۃ فی الانعام، (کہ قربانی، عقیقہ وغیرہ انھیں آٹھ قسم کے جانوروں کے ساتھ مخصوص ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی ثابت ہے کہ آپ نے اونٹ، گائے، دنبہ اور بکری کی قربانی دی ہے گائے کی قربانی آپ نے ازواج مطہرات کی طرف سے دی تھی۔ اور اونٹ بکری و دنبہ کی قربانی آپ نے اپنی طرف سے مختلف اوقات میں کی صحابہ کرام سے بھی انہی جانوروں کی قربانی ثابت ہے۔

قربانی میں شرکت

متعدد حضرات اگر مشترکہ طور پر قربانی دینا چاہیں تو جائز ہے اور متعدد صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن یہ مسئلہ کسی قدر تشریح طلب ہے۔

گائے اور اونٹ کے متعلق تو صریح احادیث سے ثابت ہے کہ متعدد اشخاص کیطرف سے قربانی دی جاسکتی ہے بلکہ گائے میں سات شامل ہوسکتے ہیں، امام ترمذیؒ نے اونٹ کے متعلق دونوں حدیثیں ذکر کی ہیں لیکن سات

AsliAhleSunnet.com

والی روایت کو ترجیح دی ہے۔ ایک روایت ابن عباسؓ کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ایک سفر میں تھے کہ عید قرباں دوران سفر ہی آگئی۔ تو ہم گائے میں سات اور اونٹ میں دس آدمی شریک ہو گئے اس کو ترمذیؒ نے حسن غریب یعنی نادر سند کی حدیث کہا ہے۔ دوسری حدیث جابرؓ کی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ حدیبیہ میں اونٹ کی اور گائے کی سات آدمیوں کی طرف سے قربانی دی۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے حسن اور صحیح کہا ہے یعنی اعلیٰ پایہ کی حدیث ہے۔ اس حدیث کی تائید اور بھی بہت سی احادیث سے ہوتی ہے مثلاً مسلم میں ہے۔

اشترکنا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحج والعمرۃ کل سبعۃ منا فی بدنۃ فقال رجل لجابر ایشترک فی البقرۃ ما یشترک فی الجزر فقال ماھی الا من البدن

حج کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور ہم فی اونٹ سات آدمی شامل ہوئے۔ ایک شخص نے جابرؓ سے دریافت کیا۔ کیا گائے میں بھی سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں تو جابرؓ نے کہا کہ گائے بھی اسی کے حکم میں ہے۔

تو صحیح یہی ہے کہ گائے اور اونٹ میں سات سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں۔ اور یہی مسلک جمہور محدثین کا ہے اور امام ترمذیؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ صحابہ کرام اور تابعین کا بالعموم اور ائمہ دین مثلاً سفیان ثوریؒ۔ ابن المبارکؒ۔ شافعیؒ۔ احمد اور اسحاقؒ کا اسی پر عمل رہا اور اسی کی تائید مسلم شریف کی روایات سے ہوتی ہے۔

بکری کی قربانی میں ایک سے زائد شریک ہو سکتے ہیں یا ایک سے زیادہ کی طرف سے بکری کی قربانی دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر حنفیہ اور محدثین میں اختلاف ہے حنفیہ کے نزدیک بکری صرف ایک ہی شخص کیطرف سے کی جا سکتی ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک ایک بکری تمام گھر والوں کی طرف سے قربانی کی جا سکتی ہے۔ جس کیلئے حضرت عائشہؓ کی حدیث بہترین دلیل ہو سکتی ہے۔ ابوداؤد میں ہے کہ آپ نے ایک دنبہ ذبح کیا اور لٹاتے ہوئے کہا: "اللھم تقبل من محمد وآل محمد" یا اللہ تو اس کو محمد اور آل محمد کیطرف سے قبول فرما"۔ اور حافظ زیلعیؒ نے نصب الرایہ میں مستدرک حاکم سے ایک روایت نقل کی ہے کہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضحی بالشاۃ الواحدۃ عن جمیع اھلہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک بکری کی تمام گھر والوں کی طرف سے قربانی کرتے۔

اور دوسری حدیث ابن ابی شیبہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دنبے ذبح کئے۔ فقال عند الاول عن محمد وآل محمد وعند الثانی عمن آمن بی وصدقنی من امتی۔ پہلے پر آپ نے کہا یہ محمد اور

AsliAhleSunnet.com

آل محمد کی طرف سے ہے۔ دوسرے پر کہا یہ ہر اس شخص کی طرف سے جو مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی۔

مسند احمد میں ایک روایت ہے کہ ایک صحابی نے کہا کہ ہم سات آدمیوں کی ایک پارٹی تھی۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم سب ایک ایک درہم آپس میں ملا کر ایک بکری خرید لیں۔ چنانچہ ہم نے اسی طرح سات درہم جمع کرکے ایک بکری خرید لی۔ پھر آپ کے فرمانے کے مطابق ایک شخص نے ایک پاؤں دوسرے نے دوسرا پاؤں اور ایک نے ایک ہاتھ اور دوسرے نے دوسرا ہاتھ اور ایک نے ایک سینگ اور دوسرے نے دوسرا سینگ بکری کا پکڑ لیا اور ساتویں نے ذبح کیا۔ اور ہم سب نے تکبیر پڑھی۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

"ابو الاشد اسلمی عن ابیہ عن جدہ قال کنت سابع سبعۃ مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فامرنا نجمع لکل رجل منا درھما فاشترینا اضحیۃ لسبع الدراھم وامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخذ رجل ... الی قولہ وذبحھا السابع ... جمیعا"

حافظ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین کے آخر میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور لکھا ہے۔

نزل ھؤلاء النفر منزلۃ اھل البیت الواحد فی اجزاء الشاۃ عنھم لانھم کانوا رفقۃ واحدۃ اس جماعت کو آپ نے ایک گھر والوں کی طرح سمجھ کر فتوی دیا کہ ایک بکری ان سب کی طرف سے قربانی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہ سب رفیق اور ایک ساتھ رہنے والے ہیں۔

اور ایک حدیث حضرت ابو ایوب انصاری کی ہے جسکو ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ "کان الرجل یضحی بالشاۃ عنہ وعن اھل بیتہ" یعنی ایک شخص اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرتا۔

ان تمام روایات کے ذکر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ طحاویؒ نے حقیقت کی حمایت کرتے ہوئے جو یہ فرمایا ہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ تھا یا منسوخ ہوگیا۔ کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور بھی صحابہ نے ایسا کیا اور حضرت ابو ایوب انصاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دیر تک ایسا ہی ہوتا رہا کہ ایک شخص اپنے گھر والوں کی طرف سے اور اپنی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرتا "حتی تباھی الناس" (پھر ایک یہ وقت آیا کہ لوگوں نے اس میں فخر شروع کردیا)

جب اور صحابہ سے بھی ثابت ہے۔ اور آپ کے بعد بھی لوگ اس پر عمل کرتے رہے۔ پھر یہ کہنا کہ یہ خاصہ

AsliAhleSunnet.com

نبی کریم کا ہے یا یہ منسوخ ہو چکا ہے کیونکر صحیح ہے ۔ لیکن طحاوی بھی مجبور بلکہ معذور ہیں ۔ کیونکہ تقلید کی وجہ سے حمایت مذہب کی جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی ہیں ان کے ہوتے ہوئے وہ یہی کچھ کہہ سکتے ہیں ۔ اور اس قسم کے مریض عشق کی تڑپ اور بیقراری کا آخری مظاہرہ ایسا ہی ہو سکتا ہے ۔ پس کتنی ہی حدیثیں ہیں جن کو منسوخ کہکر ٹال دیا جاتا ہے ۔ اور کتنی ہی حدیثیں ہیں جن کو خاصہ نبی کریم کہکر اپنے آپ کو بچا لیا جاتا ہے ۔ اور اس سلسلہ میں سب سے زیادہ پر لطف وہی جگہ ہوتی ہے جہاں ایک ہی حدیث کے متعلق کہا جاتا ہے کہ منسوخ ہے یا نبی کریم کا خاصہ ہے ۔ اور یہ بیچارگی اور سراسیمگی کا فی الحقیقت نہایت قابل رحم منظر ہوتا ہے بہرحال اس مسئلہ میں جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں ۔ ۔ صحیح اور مطابق حدیث نبوی اور تعامل صحابہ کے یہی ہے کہ ایک بکری کی قربانی تمام گھر والوں کی طرف سے کافی ہے سو وہ چاہے کتنے ہی کیوں نہ ہوں ۔

قربانی میت کی طرف سے

حضرت علی کی حدیث پہلے بیان کر چکے ہیں کہ وہ ہمیشہ دو دنبوں کی قربانی کرتے تھے ۔ اور ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ ۔ ترمذی ، ابوداؤد ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی ہے کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں ۔ سو اسکی تعمیل میں قربانی دیتا ہوں ۔

چونکہ اس حدیث کے بعض راویوں پر جرح ہے اس لئے بعض ائمہ نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے جیسا کہ عبداللہ بن مبارک کا قول امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ ان کے نزدیک تو قربانی میت کیطرف سے جائز نہیں لیکن صدقہ جائز ہے اور اگر قربانی کرے بھی تو اس میں سے کچھ نہ کھائے بلکہ سارے کا سارا صدقہ کر دے لیکن کسی حدیث سے ایسا ثابت نہیں ترمذی کی حدیث میں اگرچہ ایک راوی پر جرح ہے لیکن یہ تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ایک قربانی تمام امت کی طرف سے دیتے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں تو امت میں زندہ اور مردہ سب شامل ہیں جو آپ کے سامنے فوت ہو چکے تھے وہ بھی اور جو ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے وہ بھی اس میں شامل ہیں ۔ اور یہ حدیث مسلم ، دارمی ، ابوداؤد ، ابن ماجہ احمد اور حاکم وغیرہ سب نے روایت کی ہے اور متعدد صحابہ سے مروی ہے لیکن کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ جو قربانی آپ امت کی طرف سے دیتے وہ ساری کی ساری صدقہ کر دیتے تھے اور اس میں سے آپ یا آپ کے گھر والے کچھ نہ کھاتے تھے بلکہ مسند امام احمد کے الفاظ تو بہت زیادہ صاف ہیں اس میں تو یہ ہے :

فیطعمھما جمیعا المساکین ویاکل ھو واھلہ منھما (عن ابی رافع) کہ آپ دونوں قربانیوں میں سے مساکین

AsliAhleSunnet.com

کو بھی کھلاتے اور آپ اور آپ کے گھر والے سب ان دونوں میں سے کھاتے ۔
اس لئے صحیح قول یہی ہے کہ میت کیطرف سے قربانی دی جاسکتی ہے اور اس میں سے کچھ صدقہ کرنا اور کچھ کھالینا جائز ہے ۔

قربانی کا بیچنا اور تبادلہ کرنا

قربانی کے لئے کسی جانور کو متعین کر لینے کے بعد اسکا فروخت کرنا یا ہبہ کرنا جائز نہیں ہے ۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت بنانے والے قصاب کو اجرت میں قربانی کا گوشت اجرت میں دینا منع فرمایا تو جب قربانی کا گوشت اجرت میں دینا منع ہے تو اس کا فروخت کرنا بدرجہ اولی منع ہوگا ۔ اور مسند امام احمد میں ہے کہ :۔
عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک نہایت عمدہ جانور بھیڑ بکری کی قسم سے مکہ مکرمہ بھیجنے کا ارادہ کیا اس کے بعد انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا فقال انی اھدیت نجیبا فابیعھا واشتری بثمنھا بدنا ؟ قال لا انحرھا کہ میں اس کو بیچ کر اونٹ خرید لوں ! آپ نے فرمایا نہیں اسی کو ذبح کرو ۔
تو معلوم ہوا کہ قربانی کا جانور ایک مرتبہ متعین کر لینے کے بعد فروخت کرنا جائز نہیں ۔ اگرچہ اس فروخت کرنے سے اسکا مقصد اس سے بہتر جنس خرید کر قربانی کرنا ہو ۔ کیونکہ جس جانور کو ایک دفعہ اللہ کے نام پر خرید لیا یا اللہ کے نام پر ذبح کرنیکا ارادہ کر لیا ہو پھر اسکو اس نامزدگی سے محروم کرنا کسی حالت میں بھی جائز نہیں ہو سکتا اور اس کی تائید میں حضرت عائشہ کی حدیث پیش کی جاسکتی ہے جس کو صاحب تلخیص نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ نے دو جانور قربانی کیلئے متعین کئے ۔ لیکن وہ دونوں گم ہو گئے ۔
فبعث ابن الزبیر الیھا بھدیین فنحرتھما ثم عاد الضالان فنحرتھما وقالت ھذہ سنۃ الھدی (تلخیص) ابن الزبیر نے دو اور جانور قربانی کیلئے بھیج دیئے حضرت عائشہ نے ان کو ذبح کیا ۔ اس کے بعد وہ گمشدہ جانور مل گئے تو ان کو بھی حضرت عائشہ نے ذبح کر ڈالا اور فرمایا کہ یہی سنت قربانی ہے ۔
تو معلوم ہوا کہ جب جانور کو قربانی کیلئے ایک دفعہ متعین کر دیا جائے کسی حالت میں بھی نیت زائل نہیں ہو سکتی اسی بنا پر قربانی کیلئے متعین شدہ جانوروں کا تبادلہ بھی جائز نہیں ہے ۔ جیسا کہ حضرت علی فرماتے ہیں :۔
من عین اضحیۃ فلا یستبدل بھا (تلخیص) جس نے اپنی قربانی کا جانور متعین کر لیا پھر اس سے کسی کا تبادلہ نہ کرے ۔ یہ روایت اگرچہ ان الفاظ میں بسند ثابت نہیں ۔ لیکن حافظ صاحب تلخیص میں فرماتے ہیں کہ اسی مضمون

AsliAhleSunnet.com

ای دوسری صحیح روایت ثابت ہے کہ حضرت علی سے قربانی کے جانوروں کے تبادلہ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔ اَوَعینتموہا للاضحیۃ فقال نعم فکرہہ۔ کیا تم نے اس جانور کو قربانی کیلئے متعین کر دیا ہے۔ سائل نے کہا جی ہاں۔ پس آپ نے اسکو مکروہ سمجھا۔

قربانی کا وقت

اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ قربانی کا وقت نماز عید کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص نماز سے پہلے ذبح کرے تو وہ قربانی شمار نہ ہوگی۔ براء بن عازب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

من ذبح قبل الصلوٰۃ فانما یذبح لنفسہ ومن ذبح بعد الصلوٰۃ فقد تم نسکہ واصاب سنۃ المسلمین (بخاری) جس نے نماز سے پہلے ذبح کیا اس نے اپنے (کھانے پینے) کیلئے ذبح کیا اور جس نے نماز عید کے بعد ذبح کیا اس نے اپنی قربانی پورے طور پر ادا کر دی اور مسلمانوں کے طریقے کے مطابق عمل پیرا ہوا۔

لیکن قربانی کے آخری وقت کے متعلق بہت سا اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک عید کا روز اور تین روز اس کے بعد میں یعنی چار روز۔ امام مالک اور امام ابوحنیفہ اور امام احمد کے ایک قول میں قربانی کے تین دن ہیں۔ بعض کے نزدیک صرف ایک دن۔ اور بعض کے نزدیک عید کے دن سے آخری مہینہ ذی الحجہ تک۔ ان چاروں اقوال میں سے تیسرا قول تو صریح آیت "لیذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام" کے خلاف ہے اور کوئی آیت اس مضمون کی نہیں ہے کہ صرف عید کا دن قربانی کا دن ہے یا یہ کہ قربانی کا دن ایک ہی ہے۔

چوتھا قول بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی مرفوع اور صحیح حدیث اس بارے میں ثابت نہیں ہے۔ مراسیل ابی داؤد میں ایک مرسل روایت ہے لیکن مرسل روایت محدثین کے نزدیک حجت نہیں ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جو مرفوع حدیث کے خلاف ہو۔ حافظ صاحب فتح الباری میں ابوامامہ کی روایت امام احمد کے واسطے سے ذکر کرتے ہیں۔ کان المسلمون یشتری احدھم الاضحیۃ فیسمنھا ویذبحھا فی اخر ذی الحجۃ قال احمد ھذا حدیث عجیب مسلمان قربانی کے جانور خرید لیتے اور اس کو خوب موٹا تازہ کرتے اور ذی الحجہ کے آخر میں اس کو ذبح کرتے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث عجیب قسم کی ہے۔

بہرحال اس روایت سے بھی مراسیل ابی داؤد کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ یہ مرسل بھی نہیں ہے بلکہ یحیی بن سعید کا قول ہے۔ دوسرا قول صحیح حدیث کے مطابق ہے یعنی عید کے بعد تین دن تک قربانی کی جا سکتی ہے۔ یہی قول

AsliAhleSunnet.com

جمہور اہل علم کا ہے حافظ صاحب فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

وحجۃ الجمھور حدیث جبیر بن مطعم رفعہ فجاج منی منحر وفی کل ایام التشریق ذبح، اخرجہ احمد لکن فی سندہ انقطاع ووصلہ الدارقطنی ورجالہ ثقات، جمہور کی دلیل جبیر بن مطعم کی مرفوع حدیث ہے کہ تمام ایام تشریق میں ذبح ہوسکتا ہے۔ امام احمد نے اسکو روایت کیا ہے لیکن اس کی سند منقطع ہے۔ دار قطنی نے اس کو متصل بیان کیا ہے۔ اور اس کے راوی سب ثقہ ہیں۔

ایام تشریق کے متعلق کسی کو اختلاف ہی نہیں کہ وہ عید کے بعد تین دن تک ہیں یعنی ۱۳ ذی الحجہ تک اور دار قطنی نے اس کو دو طریقے سے بیان کیا ہے حافظ ابن حجر نے دار قطنی کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔

اور علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں جبیر بن مطعم کے علاوہ جابر سے بھی یہی حدیث اسامہ بن زید کے واسطے سے نقل کی ہے۔ جو ثقہ اور قابل اعتماد راوی ہیں اور اس کے علاوہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق کو، ایام اکل وشرب، کھانے پینے کے دن فرمایا اور اسی لئے ان ایام میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ اور جب عید کے بعد کے تین دن ان سب احکام میں ایک حیثیت رکھتے ہوں یعنی یہی دن ایام منی اور ایام رمی اور ایام تشریق ہیں ان میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ذبح قربانی کیلئے ایک دن (تیرہویں تاریخ) مستثنیٰ کر دیا جائے؟

علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں اسی قول کو ترجیح دی ہے اور حضرت علی کا بھی ایک قول نقل کیا ہے کہ:۔

ایام النحر یوم الاضحی وثلاثۃ ایام بعدہ۔ قربانی کے دن عید کے روز اور تین دن اس کے بعد۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہی قول اہل بصرہ کے امام حسن کا اور امام اہل مکہ عطاء ابن ابی رباح اور امام شام اوزاعی اور امام فقہاء اہل الحدیث شافعی کا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کتاب الاختیارات میں فرماتے ہیں۔

وآخر وقت ذبح الاضحیۃ آخر ایام التشریق وھو مذھب الشافعی واحد القولین فی مذھب احمد

قربانی کا آخری وقت ایام تشریق کا آخری دن ہے اور یہی امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی ہے۔

قاضی شوکانیؒ نے نیل الاوطار ص ۵۹ جلد ۳ میں اور حافظ ابن کثیر تفسیر کی دوسری جلد ص ۵۳ میں اسی مسلک کی تائید کی ہے اور اس کو تمام اقوال میں راجح بتلایا ہے۔ پہلا قول یعنی صرف تین دن قربانی جائز کہنے والوں کی دلیل موطا امام مالک کی روایت عبداللہ بن عمر سے ہے فرماتے ہیں۔

AsliAhleSunnet.com

الاضحی یومان بعد یوم الاضحی . کہ عید کے دن کے سوا ر دو دن اور قربانی کے ہیں .

چونکہ یہ مرفوع حدیث نہیں اس لئے پہلی مرفوع اور صحیح حدیثوں کے مقابلہ میں اسکو پیش نہیں کیا جاسکتا .

رات کے وقت ذبح کرنا

بعض اہل علم نے قرآن مجید کے لفظ " فی ایام معلومات " (معلوم اور معین دن میں) سے یہ استدلال کیا ہے . رات کے وقت قربانی جائز نہیں ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ قرآن مجید میں " ایام " کا لفظ رات اور دن دونوں کیلئے آیا ہے . جیسا کہ فرمایا فتمتعوا فی دارکم ثلاثۃ ایام " اس لئے سوائے امام مالک کے اور اکثر ائمہ دین کے نزدیک رات کے وقت قربانی کرنا جائز ہے . ابن عباس کی ایک حدیث طبرانی میں ہے کہ " رات کے وقت آپ نے ذبح کرنے سے منع فرمایا " لیکن یہ حدیث سخت ضعیف ہے . حافظ ابن حجر نے تلخیص میں ایک روایت بیہقی کی نقل کی ہے .

نھی عن جذاد وحصاد اللیل والاضحی باللیل . رات کے وقت کھیت کاٹنے اور کھجور کا درخت کاٹنے اور قربانی کرنے سے منع فرمایا .

لیکن اس کی سند کا حال کچھ معلوم نہیں اور اگر صحیح بھی ہو تو حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نہی تحریمی نہیں کیونکہ رات کے وقت کھیت کاٹنے سے اس لئے اغلبا منع کیا ہے کہ کہیں . . . تکلیف نہ دے اور کھجور رات کے وقت کاٹنے سے ساکین اور فقرار محروم رہ جانے کا خطرہ ہے اور ظاہر ہے کہ یہ اسباب محرمات نہیں ہو سکتے . زیادہ سے زیادہ نہی تنزیہی ہوگی .

اپنے ہاتھ سے ذبح کرے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں عام طور پر اپنے ہاتھ سے قربانی کے جانور خود ذبح کرتے اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے ۶۳ اونٹ خود ذبح کئے اور ۳۷ اونٹ حضرت علی نے ذبح کئے کیونکہ آپ نے سو اونٹ کی قربانی دی تھی تو معلوم ہوا کہ قربانی دینے والے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا چاہیئے اور یہی افضل ہے اور کسی کی طرف سے وکالتاً ذبح کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ حضرت علی نے کیا . اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی عورتوں کی طرف سے گائے کی قربانی حجۃ الوداع کے موقع پر دی تھی . اگر کوئی شخص خود اپنے ہاتھ سے ذبح نہیں کر سکتا تو اسے اسوقت حاضر رہنا چاہیئے اور یہ مستحب ہے جیسا کہ فتح الباری میں حافظ صاحب نے لکھا ہے . اس میں حضرت عائشہ سے بھی اگرچہ ایک روایت ہے کہ آپ اپنی بیویوں کو حکم دیدیا کرتے تھے کہ وہ اپنی قربانی کے جانوروں کے ذبح کے وقت نزدیک رہیں . مگر یہ صحیح نہیں ہے . ہاں ابو موسیٰ اشعری سے امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے کہ :

AsliAhleSunnet.com

امر ابوموسی اشعری بناته ان یضحین بایدیهن ۔ ابوموسیٰ اشعری نے اپنی لڑکیوں کو حکم دیا کہ وہ خود اپنے ہاتھ سے ذبح کریں ۔

سند حاکم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ کو بھی حکم دیا۔ قومی یا فاطمة الی اضحیتك فاشهدیها ۔ اے فاطمہ! اپنی قربانی کی طرف جا کر کھڑی ہو جاؤ اور اس کے پاس حاضر رہو ۔

زیلعی نے تخریج ہدایہ میں اس حدیث کو تین سندوں سے ذکر کیا ہے ۔ سند بزار کی حدیث کو سب پر ترجیح دی ہے

بہرحال ان سب روایات سے یہی معلوم ہوا کہ بہتر تو یہ ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اور اگر دوسرے سے ذبح کرائے تو بہتر ہے اور افضل ہے کہ خود پاس کھڑا ہو۔

اور ابوموسیٰ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عورتیں بھی ذبح کر سکتی ہیں اور کوئی نص شرعی اس کے خلاف نہیں ۔

اگر قربانی کا جانور خریدنے یا متعین کر لینے کے بعد بچہ جنے تو اسکو بھی ذبح کرنا ہوگا ۔

حاملہ کی قربانی تلخیص میں حضرت علی کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ قربانی کی اونٹنی اور اس کا ایک بچہ لئے جا رہا ہے تو آپ نے فرمایا لاتشرب من لبنها الا ما فضل عن ولدها (بیہقی) اس کا دودھ صرف اتنا ہی پی سکتے ہو جس قدر اس کے بچے سے بچ جائے ۔ اور مسند ابی حاتم میں یہ لفظ بھی ہے ۔

فاذا کان یوم النحر فانحرها هی وولدها عن سبعة قربانی کے دن اس کو اور اس کے بچے کو سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کرو ۔ اگر ذبح کرنے کے بعد مردہ بچہ برآمد ہو تو سوائے امام ابوحنیفہ کے اکثر صحابہ، تابعین وائمہ دین کے نزدیک یہ بغیر ذبح کئے جائز اور حلال ہے ۔ کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ صحابہ نے آپ سے دریافت کیا کہ ہم بعض گائے اونٹنی یا بکری ذبح کرتے ہیں تو اس کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے تو کیا ہم اسے کھا لیا کریں یا پھینک دیا کریں ۔ آپ نے فرمایا ۔ کلوه ان شئتم فان ذکاته ذکاة امه ۔ اگر جی چاہے تو بیشک کھاؤ اس کی ماں کا ذبح کر لینا اس کے لئے بھی کافی ہے ۔ زیلعی نے تخریج ہدایہ میں آٹھ دس کے قریب اسی مضمون کی حدیثیں نقل کی ہیں اور ان میں سے اگرچہ بعض پر جرح کی ہے لیکن بعض صحیح بھی ہیں اور انھوں نے بھی اس مشکل کو محسوس کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول اس مسئلہ میں صحیح احادیث کے خلاف ہے اسی لئے تمام احادیث کے آخر میں ابن المنذر کا قول نقل کیا ہے ۔ کسی صحابی نہ کسی تابعی اور نہ کسی اور عالم کا یہ قول ہے کہ پیٹ سے نکلا ہوا بچہ ذبح کیا جائے سوائے ابوحنیفہ کے ۔ الخ

جلد ۲ ص ۲۶

AsliAhleSunnet.com

علوم و فنون میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری

بنارس کی سر سید سوسائٹی کے اراکین کی طرف سے ہر سال یوم سر سید منایا جاتا ہے، جس میں ملت اسلامیہ کی بہبود و ترقی سے متعلق کسی ایک موضوع پر علماء و مفکرین ملت اپنے مقالے اور تاثرات پیش کرتے ہیں۔ سر سید یا کسی اور عظیم شخصیت کا دن منانا غیر اسلامی روایت ہے۔ مسلمانوں کو اس سے پرہیز ضروری ہے، البتہ اس طرح کی تقریبات کے ساتھ کسی مذاکرہ یا کانفرنس وغیرہ کا جو حصہ مربوط رہتا ہے وہ مفید ہے، اس لئے اس کو کسی دوسرے عنوان سے باقی رکھنا چاہیئے۔

۸ر دسمبر ۸۸ء کو حسب دستور مذکورہ سوسائٹی نے جو یوم سر سید منایا تھا اس میں مذاکرہ کا عنوان تھا:- "علوم و فنون میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب"

اس عنوان پر خاکسار کو بھی اظہار خیال کی دعوت دی گئی تھی۔ بعض مجبوریوں کی بنا پر میں مذکورہ مجلس میں خود تو شریک نہ ہو سکا لیکن جو مقالہ تیار کیا تھا اسے محدث کے ایڈیٹر محترم عبدالوہاب حجازی صاحب نے پڑھ کر سنایا اور پروگرام کی دونوں نشستوں میں شریک رہے۔ افادۂ عام کے خیال سے موصوف کے شکریہ کے ساتھ مقالہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس موضوع پر مزید گفتگو کی گنجائش بلکہ ضرورت ہے۔ لہٰذا ادارۂ محدث بھی سوسائٹی کی طرح اہل قلم کو اظہار خیال کی دعوت دیتا ہے۔ اور امید رکھتا ہے کہ موضوع کے دائرہ میں اختصار کے ساتھ اپنی نگارشات ارسال فرمائیں گے۔ یہ اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ سوسائٹی کی مجلس میں بعض لوگوں نے موضوع سے ہٹ کر ملت کے کسی ایک طبقہ کے خلاف دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کی تھی بلکہ بعض جرأتمند تو منصوص احکام شریعت پر اعتراض کر بیٹھے تھے۔ یہ رویہ کسی علمی مجلس کے وقار کے خلاف اور غیر مفید ہے، ملت کے زوال کی ذمہ داری اپنے آپ کو بچا کر دوسروں پر ڈالنا غیر منطقی بات ہے ہر شخص کو پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس زوال کی کس قدر ذمہ داری ہمارے اوپر آسکتی ہے۔ احتساب کی اسی روش سے اصلاح ہو سکتی ہے دوسروں کو جلی کٹی سنا کر نہیں۔

AsliAhleSunnet.com

تمہید

اصولی بات تو یہی ہے کہ انسانی آبادی کا ہر فرد اپنے عمل کا ذمہ دار اور اس کا جوابدہ ہے لیکن دنیا میں کچھ مسائل و معاملات ایسے بھی ہیں جن کا تعلق پوری قوم یا معاشرہ سے ہے۔ ان امور کی انجام دہی خواہ بعض افراد ہی کے ذریعہ ہو لیکن ان کے اچھے یا برے اثرات سے پوری قوم کا متاثر ہونا ضروری ہے، اس لئے ایسے امور کے تقاضوں کو پورا کرنے اور ان کے مضمرات و عواقب کا جائزہ لینے کے لئے ہمیشہ اجتماعی غور و فکر اور متحدہ اقدام کی ضرورت ہے تاکہ مختلف ذہنی صلاحیتوں کی مدد سے ان مسائل کا خاطر خواہ حل سوچا جائے اور ان پر اجتماعی روح کے ساتھ افراد کے نہیں بلکہ پوری ملت کے مفاد کیلئے عمل کیا جائے

اجتماعی توجہ کے محتاج مسائل میں تعلیم کا مسئلہ بیحد اہم بلکہ شاید سب سے زیادہ اہم ہے۔ خصوصاً ہندوستان کی مسلم اقلیت کے لئے جو سامراجی عہد ہی میں مختلف اسباب کی بنا پر تعلیمی میدان میں پیچھے رہ گئی۔ اور بعد کے دور میں بھی اب تک اسے اس پسماندگی کو دور کرنے میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔

سرسید سوسائٹی کے جن مخلص دردمندان ملت نے اس موضوع پر مذاکرہ کا اہتمام کیا ہے وہ لائق صد مبارکباد ہیں۔ اس موضوع پر اگر اسی طرح توجہ دی گئی ہوتی اور مسلمانوں کے خفتہ جذبات کو بیدار کرنے کے لئے ہر جگہ کوشش کی گئی ہوتی تو یقیناً صورت حال آج سے مختلف ہوتی۔ جو وقت گزر چکا اس پر افسوس سے کوئی فائدہ نہیں، لیکن دھیان رکھنا ضروری ہے کہ باقی وقت بھی غفلت میں نہ گذر جائے۔

سابقہ سطور میں نے بعض مسائل کی اجتماعیت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی توضیح کے لئے یہ بھی عرض کردوں کہ تعلیم و سیاست کے میدان سے متعلق بعض مسائل تو ایسے ہیں کہ ان کی اجتماعیت کئی نسلوں تک کو محیط ہوا کرتی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے اثرات کا جائزہ لیجئے تو اہمیت کا اندازہ ہوگا۔

آج ہم مسلمانوں کے علمی زوال کا جائزہ لینے جمع ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس زوال کا تعلق صرف موجودہ مسلم نسل سے نہیں ہے۔ بلکہ اس کی جڑیں ماضی میں بہت دور تک پھیلی ہوئی ملیں گی، مختلف ادوار میں جو غلطیاں ہوتی رہی ہیں ان کا ایک اثر علمی زوال کی صورت میں اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ اسے دور کرنے کے لئے یقیناً ہمیں وسیع غور و فکر اور متحدہ باہم کوشش کی ضرورت ہے۔ اور مجھے قوی امید ہے کہ بنارس کے اس تاریخی شہر میں سرسید سوسائٹی کے مخلص اراکین موضوع کی اہمیت کا اندازہ

AsliAhleSunnet.com

کرتے ہوئے اس زوال کو دور کرنے کے لئے کسی بھی طرح کی محنت و قربانی سے گریز نہیں کریں گے۔ راہ خدا میں کوشش کرنے والوں کی مدد کا وعدہ قرآنِ کریم میں واضح الفاظ میں موجود ہے۔

موضوع پر نظر علوم وفنون میں مسلمانوں کے زوال کی بات تشریح طلب ہے کیونکہ اسلامی تاریخ کا ایک بڑا دور ایسا ہے جس میں مسلمانوں نے ادبی و سائنسی علوم میں نہ صرف یہ کہ ترقی کی بلکہ ان علوم میں فائدانہ کردار ادا کیا، اور تہذیب وثقافت کے میدان میں دوسری قوموں کی رہنمائی کی۔ متعدد نئے علوم سے دنیا کو روشناس کر دیا۔ اور اپنے دور کے موجودہ علمی سرمایہ کے تحفظ کے ساتھ ہی اس میں گرانقدر اضافہ بھی کیا۔

مسلمانوں کی ثقافتی تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون وسطی کے اختتام تک مسلمانوں کو ادب، سائنس دونوں میدانوں میں کمال حاصل تھا، مسلم علماء کی جو تاریخ اور ان کی تصنیفات کا جو ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہے اس سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے دینی و شرعی علوم پر توجہ کے ساتھ ہی سائنس کے شعبوں میں کمال پیدا کیا، اور اپنی ذہنی کاوش سے علم کی تمام شاخوں کو پروان چڑھایا، مسلمانوں کی اس حیثیت کا اعتراف غیر مسلموں کی تحریروں میں بھی موجود ہے۔

قرون وسطی کے بعد جدید دور میں مسلمانوں کی علمی تاریخ پر نظر ڈالئے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم قوم اس مرحلہ میں سائنس و ٹکنالوجی میں دیگر قوموں اور بالخصوص مغربی اقوام سے پیچھے ہے، اور اس پسماندگی کا سلسلہ اب تک جاری ہے لیکن یہاں یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اس دور انحطاط میں بھی مسلمانوں نے اپنے دینی و ادبی علوم کی سرپرستی کی اور ان کو آگے بڑھایا۔ اس کے لئے انھوں نے مکاتب و مدارس قائم کئے۔ اور ان کو چلانے کے لئے فنڈ فراہم کئے دینی و ادبی علوم پر توجہ کا یہ سلسلہ ہر دور میں جاری رہا۔ اور اس باب میں مسلمانوں کی خدمات بڑی عظیم الشان

ا‍ے سائنس کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو اس سے عام طور پر علم کی وہ شاخ مراد ہوتی ہے جس میں تجربہ مشاہدہ اور پرکھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے علوم طبیعیہ بھی کہتے ہیں۔ ان علوم میں فزکس، کیمسٹری، زولوجی باٹنی، جیالوجی، میتھ میٹکس اور فلکیات داخل ہیں، ہندسہ، طب، زراعت، صیدلہ اور بیطرہ وغیرہ علوم کے تطبیقی اجزا رہیں۔

AsliAhleSunnet.com

ہیں مسلمان جب حاکم تھے تو حکومت کی سرپرستی میں، اور جب محکوم ہو گئے تو انفرادی کوششوں کے نتیجہ میں یہ سلسلہ جاری رہا اور آج تک جاری ہے، لہذا دینی وادبی علوم کی حد تک مسلمانوں کے زوال کی بات صحیح نہ ہوگی بلکہ اسے سائنس کے علوم کی حد تک محدود کرنا ہوگا، اسی طرح مختلف ملکوں کے اعتبار سے بھی اس حکم میں تعمیم و تخصیص کی ضرورت پیش آئے گی. کیونکہ سیاسی حالات کے اختلاف کی وجہ سے سائنسی علوم پر توجہ کا حال بھی بدلتا رہا ہے برصغیر کے مسلمان جن حالات سے دوچار ہیں وہ یقیناً عرب دنیا کے مسلمانوں سے مختلف ہیں. اسی طرح افریقی ممالک کے مسلمانوں کا حال سب سے الگ ہے۔

زوال کا ذمہ دار کون ؟

صنعت یا علم کے کسی شعبہ میں جب مسلمانوں کے زوال اور پسماندگی کی بات کی جاتی ہے تو عام طور پر ذہن اسلام اور اس کے احکام و آداب کی طرف منتقل ہوجاتا ہے ۔ اور کچھ لوگ اس زوال کے اسباب پیروان اسلام سے ہٹ کر اسلام میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ کچھ لوگ اسی مقصد کے لئے اس موضوع کو اٹھاتے ہیں، لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند جملے اس نقطہ پر بھی عرض کردوں لیکن اس سے پہلے ایک نظر ان احکام پر ڈالنی مناسب ہے جو کسی پوری قوم یا کسی پورے ملک پر مجموعی حیثیت سے کسی استثناء کے بغیر لگا دیئے جاتے ہیں. مثلاً جرمن قوم ایسی ہے، چینی قوم ویسی ہے، اور عرب ممالک کا یہ حال ہے، شمالی امریکہ کا وہ حال ہے اور لاطینی امریکہ میں ایسا ہوتا ہے وغیرہ. اس طرح کے عمومی احکام کی تصدیق بعض مثالوں سے یقیناً ہوجائے گی. لیکن کلی یا اکثریتی طور پر اس طرح کے عمومی احکام کی تصدیق ممکن نہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جدید ترقیاتی دور سے پہلے آمد و رفت کے موجودہ ذرائع میسر نہ تھے، لہذا قوموں کا باہمی ربط اور مختلف میدانوں میں ان کا لین دین اتنے وسیع پیمانے پر عمل میں نہیں آتا تھا جتنا آج ہے، اور مختلف قومیں جب ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہتی تھیں تو ان کے محاسن و معائب بھی محدود اور اپنے اپنے دائرہ میں سکڑے رہتے تھے ۔ اور ایسی حالت میں عمومی احکام بڑی حد تک صحیح ثابت ہوتے تھے لیکن آج دنیا سمٹ کر ایک ملک یا شہر کی طرح ہوگئی ہے ۔ وسائل نقل و حمل کی سہولت و ترقی کے باعث ایک آدمی مختصر وقت میں ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم پہنچ جاتا ہے ، آمد و رفت کی اس سہولت کے نتیجہ میں تجارتی ، ثقافتی اور سیاحتی مقاصد سے سفر کرنیوالوں

AsliAhleSunnet.com

کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے۔ اسی طرح اضطراری یا اختیاری اسباب کی بنا پر انسانوں کی ایک معتدبہ تعداد ایک ملک سے منتقل ہو کر دوسرے ملک میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گئی ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر ہم اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اطوار و عادات اور اخلاق و خصائل کا ایک قوم سے دوسری قوم اور ایک ملک سے دوسرے ملک کی جانب منتقل ہونا کتنا آسان ہو چکا ہے۔ اور ایسی صورت میں کسی ملک یا قوم پر کوئی عام حکم لگاتے ہوئے گہرے تتبع اور غور و فکر کی ضرورت ہے تاکہ حکم اور اس سے مستنبط نتیجہ دونوں صحیح ہو سکیں۔

اسی طرح اس طریقۂ تلاش و استقراء پر توجہ بھی ضروری ہے جس کے سہارے اس طرح کے احکام صادر کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ ناقص استقراء کی بنیاد پر لگائے جانیوالے احکام ہمیشہ ناقص اور غلط ہوتے ہیں۔ آجکل شماریا سروے کا یہ جو طریقہ رائج ہے کہ کسی خاص رقبہ کا شمار کرنے کے بعد اسی پر قیاس کر کے بقیہ حصوں پر حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اس کی واقعات سے تائید نہیں ہوتی۔ اور بہت سی مثالیں ایسی سامنے آتی ہیں جو اس حکم کے خلاف ہوتی ہیں۔ میری اس توضیح کا ہرگز یہ مدعا نہیں کہ مسلمانوں پر علوم و فنون کے میدان میں زوال کا جو حکم لگا ہے وہ غلط ہے۔ بلکہ میں اس پہلو کی جانب توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ مسلم قوم دنیا کے وسیع و عریض رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے، ہر جگہ کے جغرافیائی، سیاسی اور سماجی حالات کی بنیاد پر اس کا ایک مخصوص پس منظر اور تنزل و ترقی کے احوال میں ایک متعین حصہ ہے، لہٰذا مسلم قوم پر بحیثیت قوم کوئی حکم لگاتے ہوئے دقت نظر اور تامل کی ضرورت ہے۔

اس طویل۔ اور ممکن ہے بیجا، تمہید کے بعد اب میں اصل نقطہ پر آنا چاہتا ہوں مسلمانوں پر جب بحیثیت قوم علم کے میدان میں زوال پذیر ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے تو اسلامی تاریخ اور ترقی و تنزل کے عوامل و محرکات سے ناواقف لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ زوال، نعوذ باللہ دین اسلام کی کسی کمی یا کوتاہی سے پیدا ہوا ہے۔ اسلام کے متعدد سیاسی و سماجی احکام سے متعلق اس طرح کے تبصرے اور بالخصوص اس دور میں اپنوں اور غیروں سے اکثر سننے میں آتے ہیں۔ اس لئے اس نقطہ پر ٹھنڈے دل سے دماغ اور وسعت ظرف و نظر سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

سب سے پہلے اسلام کی مایۂ ناز کتاب قرآن کریم پر نظر ڈالئے۔ اس مقدس کتاب کا جو حصہ سب سے پہلے نازل ہوا اس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے

AsliAhleSunnet.com

اور اسی حصہ میں انسان کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے قلم کے ذریعہ اس کی تعلیم کا ذکر ہے۔ اسی طرح سورۂ بقرہ میں جہاں تخلیق آدمؑ کا ذکر ہے وہاں نعمت علم سے انھیں سرفراز کرنے کی بات کہی گئی ہے۔ فیلسوف یا فلسفی کا معنی "محب حکمت" بتایا جاتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو "معلم حکمت" کے لقب سے متعارف کرایا ہے! (ویعلمہم الکتاب والحکمۃ)

بلاشبہ جن علوم سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اسلامی شریعت کے احکام سے واقفیت حاصل ہو ان کی اہمیت وضرورت ہر مسلمان کے لئے بہت زیادہ بلکہ ہر چیز پر مقدم ہے، قرآن کریم ہماری رہنمائی اسی جانب کرتا ہے، لیکن ساتھ ہی اس میں بہت بڑی تعداد میں ایسی آیتیں بھی موجود ہیں جن میں عمومی طور پر علم سیکھنے اور کائنات پر غور وفکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اور اشیاء کے حقائق وماہیات کا سراغ حاصل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ آسمان و زمین، ان کے مابین موجود بیشمار مخلوقات، مثلاً چاند سورج، ستارے، سمندر، دریا، پہاڑ، معدنیات، درخت، ان کے پھل، انواع واقسام کے جانور اور اسی طرح کی دوسری چیزوں کا ذکر اس کثرت سے ہوا ہے کہ پڑھنے والا ان کی اہمیت کو سمجھنے اور ان پر غور کرنے پر مجبور ہے۔ اور اس کا راستہ بلاشبہ وہی علوم ہیں جنھیں ہم آج سائنس کے نام سے جانتے ہیںؒ۔ مرد وعورت کے اتصال سے بچہ کی پیدائش ہمارے لئے روزمرہ کی بات ہے اس لئے ہم شکم مادر میں نو ماہ تک بچہ کی نشو ونما اور تدریجی ارتقاء پر غور نہیں کرتے اور اگر غور بھی کریں تو ان دقیق مراحل کا ادراک نہیں کر سکتے جن سے اس تکوینی مرحلہ میں بچہ گذرتا ہے، کیونکہ ہم طب سے واقف نہیں ہیں لیکن قرآن کریم نے جس بلاغت سے اس مرحلہ کا بیان آج سے چودہ سو سال پہلے کیا ہے اسے پڑھکر آج کے ماہر اطباء وڈاکٹر حیران ہیں۔ بلکہ بعض لوگوں کو اسی آیت پر غور کی وجہ سے اسلام قبول کرنے کی توفیق ملی ہے۔

قرآن کریم سے متعلق ان اشارات سے ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ مختلف علوم وفنون سے متعلق اسلام کا

۱؎ بعض آیتوں میں یہ صراحت وارد ہے کہ زمین وآسمان کی گوں ناگوں مخلوقات تمھارے لئے مسخر کی گئی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس تسخیر سے فائدہ اٹھانے کیلئے انسان کو ان اشیاء کی حقیقت اور فوائد واثرات کو سمجھنا ہوگا۔

AsliAhleSunnet.com

موقف کیا ہے ، اور سائنس کے ذریعہ کس طرح ہم اسلام کے مقاصد کو حاصل کر سکتے ہیں ۔ اور اس کے اصولوں کو لوگوں کے دلوں میں اتار سکتے ہیں ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور احادیث شریفہ کے مطالعہ سے بھی ہمیں علماء کی حمایت ، علم کی نشر واشاعت اور اس راہ میں تحقیق و جستجو کی ضرورت کا پتہ چلتا ہے ۔ احادیث نبویہ میں تہذیب و تمدن اور سیاست و ثقافت سے متعلق جو رہنمائی موجود ہے ان کے جاننے اور ان پر عمل کرنے کا تصور مختلف علوم وفنون سے واقفیت کے بغیر مشکل ہے ۔

علم کے ساتھ اسلام کے اس رویہ کے نتیجہ میں مسلمانوں نے تاریخ کے مختلف ادوار میں علم کی خدمت کی ۔ اس سے خود بھی مستفید ہوئے اور دوسروں کو بھی مستفید ہونے کے مواقع فراہم کئے ۔ دینی وادبی علوم کے سلسلہ میں ان کے کارناموں کا حال سب کو معلوم ہے ، اور سائنس کے میدان میں ان کی خدمات کی جانب ہم آگے اشارہ کریں گے ۔ یہاں نتیجہ کے طور پر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ علم کے ساتھ اسلام کا رویہ بیحد قابل فخر رہا ہے ۔ اور مسلمانوں نے اس کی رہنمائی کے بعد مختلف علوم وفنون کی بیش بہا خدمت انجام دی ہے ، اس لئے اس طرح کا کوئی تصور بے بنیاد ہے کہ علمی میدان میں مسلمانوں کے موجودہ زوال میں ان کے مذہب کا کوئی دخل ہے ۔

مسلمانوں کی علمی خدمات

عباسی دور کو علوم وفنون کی وسعت و ترقی کے لحاظ سے اسلامی تاریخ کا عہد زریں کہا جاتا ہے ۔ خلیفہ ہارون رشید نے اپنی دور اندیشی اور علم پروری سے ایسے اقدامات کئے جن سے اس دور کا مزاج علمی بن گیا ، اور مختلف شعبوں کے ماہر علماء نے زبردست علمی خدمت انجام دی ۔

ہارون کے بعد اس کا بیٹا مامون علمی تحریک کی تقویت و ترقی میں بیحد سرگرم ثابت ہوا ۔ اس کی کوششوں سے ایک طرف قدیم علوم کا سرمایہ محفوظ ہو گیا ۔ اور دوسری طرف جدید علمی ترقی کے لئے بنیاد استوار ہوئی ۔

سائنس کے میدان میں مسلم محققین کی خدمات کا آغاز تو اموی دور ہی سے ہو چکا تھا ۔ لیکن عباسی دور میں اس تحریک کو نمایاں قوت ملی ۔ یونان وہند کی کتابوں کے ترجمہ سے سائنسی علوم کو رواج حاصل ہوا ، اور لوگ اس جانب متوجہ ہوئے ۔ اس دور کے عرب سائنسدانوں میں سے کندی ، جابر بن حیان ، ابن ہیثم ، خوارزمی ،

AsliAhleSunnet.com

ابن سینا، ابن زہر، ابن الصلاح، بیرونی، رازی اور ابن نفیس وغیرہ کی کتابیں اٹھارہویں صدی کے اوائل تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں قابل اعتماد ماخذ کی حیثیت سے معروف تھیں۔ ان کتابوں کا متعدد دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوا اور لوگ اب تک ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔

سائنس کے علماء کا تذکرہ آتا ہے تو ذہن لازمی طور پر " اخوان الصفا " کی جماعت کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

اس جماعت کو مسلم دینی حلقوں کا اعتماد و وثوق تو حاصل نہ ہو سکا لیکن سائنس کی مختلف شاخوں پر اس جماعت نے اپنے رسائل ہیں، جن کی تعداد پچاس سے زائد ہے۔ اپنے دور کے اہم سائنسی نظریات و تجربات پر بحث کی ہے ان رسائل کی حیثیت ایک طرح کے انسائیکلو پیڈیا کی ہے جن میں الہیات، طبیعیات، ریاضیات اور منطق کے مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔

یہ جماعت چوتھی صدی ہجری میں بصرہ میں قائم ہوئی تھی، اور اس کی ایک شاخ بغداد میں بھی تھی۔

بعض مصنفین نے اس جماعت کو "علمی جمعیۃ" یعنی سائنس سوسائٹی کا لقب دیا ہے، جس کے ممبران نے اپنے دور تک کی علمی ترقی کو اپنے رسائل کے ذریعہ بعد کی نسلوں تک پہنچانے کا فرض انجام دیا۔

عباسی دور کی علمی و سائنسی ترقی کا جائزہ لیتے ہوئے بغداد کے بیت الحکمۃ اور قاہرہ کے دار الحکمۃ کا ذکر ضروری ہے۔

بیت الحکمۃ کا قیام ہارون رشید کے ہاتھوں عمل میں آیا تھا، اور مامون کے دور میں اس کی سرگرمیاں اوج کمال کو پہنچ گئی تھیں۔ علوم و فنون کے اس مرکز میں مختلف زبانوں سے عربی میں ترجمہ کا مستقل شعبہ موجود تھا جس میں بڑی تیزی اور تسلسل سے کام ہوتا تھا۔ اس علمی مرکز میں طب، ہندسہ، فلسفہ اور حکمت پر پوری توجہ مرکوز تھی، علماء کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اور ان کے لئے باقاعدہ وظائف مقرر تھے۔ اس عظیم علمی ادارہ نے دیگر زبانوں کے علوم و فنون کو عربی میں منتقل کرنے کے سلسلہ میں انتہائی اہم خدمت انجام دی۔

قاہرہ میں حاکم بامر اللہ نے ۳۹۵ھ میں دار الحکمۃ کے نام سے ایک کتب خانہ قائم کیا تھا جس میں مورخین کے بیان کے مطابق کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود تھا کہ کہیں اور دیکھنے میں نہیں آیا۔

دار الحکمۃ میں علماء فقہاء اور اطباء کا اجتماع ہوتا تھا۔ اس میں خود بادشاہ بھی شریک ہوتا تھا، علماء کو عطیات سے نوازا جاتا تھا اور ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔

AsliAhleSunnet.com

مقریزی کے بیان کے مطابق دارالحکمۃ میں مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے لئے چالیس مخزن تھے۔ اور ہر مخزن میں تقریباً اٹھارہ ہزار کتابوں کی گنجائش تھی۔

دارالحکمۃ قاہرہ اور بیت الحکمۃ بغداد اس دور کے نامور علماء کی طب، فلکیات، کیمسٹری، نباتیات، ریاضیات اور دیگر لغوی وادبی علوم وفنون میں گرانقدر تخلیقات کے امین ومحافظ تھے۔ اگر یہ دونوں کتب خانے دشمنان اسلام کی دستبرد سے محفوظ رہ جاتے تو جدید دور کی علمی ترقی کے علمبردار اہل یورپ کے بجائے مسلمان ہوتے۔

موجودہ مسلم عرب دنیا اور سائنس

عنوان میں "علوم وفنون میں مسلمانوں کے زوال" کی جو بات کہی گئی ہے اس میں، جیسا کہ میں نے عرض کیا بعض ملکوں اور قوموں کے اعتبار سے تخصیص یا تعمیم کرنا ہوگی۔ کیونکہ جہاں پر مسلمان کسی مسلم حکومت کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں ان کے حالات ومسائل الگ ہیں۔ اور جہاں وہ اقلیت میں ہیں وہاں کے مسائل کچھ اور ہیں۔ پاکستان بنگلہ دیش اور عرب ممالک میں مسلمانوں کے جو تعلیمی مسائل اور دشواریاں ہیں وہ یقیناً ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے مختلف ہیں، خواہ پسماندگی وزوال کا حال تینوں علاقوں میں یکساں ہو، چونکہ تعمیر نو کے مرحلہ میں برصغیر اور عرب دنیا کے مسلمانوں کے مسائل ومشکلات بڑی حد تک یکساں ہیں، اور ممکن ہے کہ عرب مسلمانوں کے تجربہ میں ہمارے لئے کچھ فائدہ ہو، اس لئے یہاں عرب دنیا میں سائنس کی تعلیم پر توجہ کے سلسلہ میں مختصر طور پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس تذکرہ میں یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ بعض عرب ملکوں میں نصرانی یا یہودی اقلیت بھی موجود ہے۔ اور لبنان میں مسلمانوں اور نصرانیوں کا ۵۵ اور ۴۵ فیصد کا تناسب ہے۔

عرب یونیورسٹیوں میں جب سائنس کی تعلیم کا آغاز ہوا تو انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا۔ اس کے سوا کوئی اور صورت بھی نہ تھی، کیونکہ تمام علوم انگریزی یا فرانسیسی زبان میں تھے اور عربی میں ان کو منتقل کرنے کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ سائنس کے مبادی کی تعلیم البتہ عربی میں ہوتی تھی۔

جب سائنس کی تعلیم کی اہمیت وضرورت کا احساس زیادہ ہوا تو عرب دنیا میں تعلیم کے ذمہ داروں نے سوچا کہ عربی زبان کی اس کمی کو دور کرنے اور موجودہ دور کے علمی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے جدید علوم

AsliAhleSunnet.com

کو عربی زبان میں منتقل کرنا ضروری ہے، عباسی دور میں مختلف یونانی، ہندی وغیرہ علوم کے عربی ترجمہ کی مثال ان کے سامنے تھی، لہذا انھوں نے کوشش کا آغاز کیا جس کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اور بڑی حد تک علوم کے ترجمے عربی میں ہو گئے ہیں۔ اور عربی زبان ہی کے ذریعہ سائنس کی تعلیم دی جاتی ہے۔

اس کے بعد یہ مرحلہ باقی رہتا ہے کہ اس زبان کے جاننے اور سمجھنے والے بنیادی طور پر اس میں تحقیق و تجربہ کے کام کو آگے بڑھائیں اور سائنس و ٹکنالوجی کے میدان میں فائدانہ کردار ادا کریں۔ یہ منزل ابھی بہت دور ہے لیکن نقطۂ نظر کے اظہار کے موقع پر اس کا ذکر نامناسب نہیں۔

تقریباً ۷۵ سال پیشتر دمشق یونیورسٹی میں میڈیکل کالج کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس وقت سے اب تک اس میں عربی زبان ذریعۂ تعلیم ہے، عرب یونیورسٹیوں میں دمشق یونیورسٹی کو اس باب میں سبقت حاصل ہے۔

۱۹۲۵ء میں مصر یونیورسٹی (اب قاہرہ یونیورسٹی) قائم ہوئی۔ اس کے کالجوں میں طب و سائنس کے کالج بھی تھے۔ ان میں ذریعۂ تعلیم انگریزی تھی ۱۹۳۶ء میں وزیر تعلیم ڈاکٹر محمد حسین ہیکل نے یونیورسٹی کے ذمہ داروں کی توجہ اس قانون کی طرف مبذول کرائی کہ عربی زبان ذریعۂ تعلیم ہو گی۔

پھر قاہرہ یونیورسٹی کے شعبۂ سائنس کے چند اساتذہ نے سائنسی اصطلاحات کے عربی ترجمہ کا کام شروع کیا اور بعض دیگر اساتذہ نے بعض مضامین کی عربی زبان میں تعلیم شروع کی، اس طرح مختلف شعبوں نے اپنے اپنے مضامین سے متعلق کئی سو اصطلاحات کا عربی ترجمہ مکمل کر لیا۔ اصطلاحات کے عربی ترجمہ کا کام اسی وقت سے جاری ہے۔

تیس کی دہائی میں عربی زبان کی اکیڈیمی قائم ہوئی اس نے بھی علمی اصطلاحات کو عربی میں منتقل کرنے کے سلسلہ میں زبردست خدمت انجام دی، اور اس طرح دسیوں ہزار اصطلاحات کا ترجمہ مکمل ہو گیا

عرب دنیا کی سائنس پر توجہ کا ایک مظہر سائنس کانفرنسیں بھی ہیں، اس سلسلہ کی سب سے پہلی کانفرنس ۱۹۵۳ء میں پہلی عرب سائنس کانفرنس کے نام سے منعقد ہوئی۔ جس نے اصطلاحات کی تعریب کے سلسلہ میں مخصوص توجہ مبذول کی۔ ۱۹۵۵ء میں قاہرہ میں دوسری سائنس کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا جس نے کئی ہزار اصطلاحات پر مشتمل ایک فہرست تیار کی جس میں سائنسی اصطلاحات کو غیر ملکی زبانوں میں پیش کر کے ان کا عربی ترجمہ سامنے لکھا گیا تھا۔ اس سلسلہ کی تیسری کانفرنس ۱۹۵۷ء میں بیروت میں اور

AsliAhleSunnet.com

چوتھی کانفرنس ۱۹۶۱ء میں قاہرہ میں منعقد ہوئی۔ پانچویں کانفرنس جب بغداد میں ۱۹۶۶ء منعقد ہوئی تو اس وقت تک عربی زبان میں ترجمہ شدہ اصطلاحات کی تعداد بیس ہزار تک پہونچ چکی تھی۔

اصطلاحات کے عربی ترجمہ کی ذمہ داری بعد میں مصر کی سائنسی تحقیق سے متعلق وزارت نے اپنے سر لے لی اور اس کی کوششوں سے اصطلاحات کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ ۱۹۶۹ء میں چھٹی سائنس کانفرنس دمشق میں منعقد ہوئی اور اس نے اس میدان میں مفید کوشش کی۔ اصطلاحات کے ترجمہ کے سلسلہ میں مختلف سیمینار بھی منعقد ہوئے جن سے اس کام کی افادیت بہت زیادہ ہوگئی۔

بعض تنظیموں اور افراد نے اصطلاحات کے ترجمہ کی راہ میں نمایاں خدمت انجام دی۔

مصر کی مسلم افواج کی طرف سے فنی اصطلاحات پر مشتمل جو ڈکشنری شائع ہوئی اس میں ریاضیات طبعیات، برقیات، ہوا بازی، جہاز رانی اور ہندسہ وغیرہ سے متعلق تقریباً ۳۵ ہزار اصطلاحات ہیں اسی طرح عرب لیگ کی نگرانی میں جو عسکری ڈکشنری شائع ہوئی ہے اس میں تقریباً اسی ہزار اصطلاحات ہیں۔

ترجمہ سے متعلق ایک تجویز

سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں دنیا کی ترقی بیحد تیز رفتار ہے۔ سالانہ لاکھوں کی تعداد میں جدید تحقیقی مضامین شائع ہوتے ہیں اور دنیا کے مختلف حصوں کی تقریباً چالیس زندہ زبانوں میں مختلف کتابیں رسائل اور مجلات شائع ہوتے ہیں، اختراعات وایجادات کی دنیا اس کے علاوہ ہے۔ اس صورت حال کو سامنے رکھ کر سائنس کے ایک عرب محقق ڈاکٹر عبد الحلیم منتصر نے عرب لیگ سے عرب ملکوں کے ماہر و ممتاز علماء پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دینے کی سفارش کی ہے جس کی بعض ذمہ داریاں درج ذیل ہیں۔

۱۔ ترجمہ کا کام منصوبہ بندی کے ساتھ کیا جائے۔

۲۔ ایک متفقہ سائنس ڈکشنری تیار کی جائے

۳۔ سالانہ تقریباً سو کتابوں کا عربی میں ترجمہ کیا جائے۔

۴۔ انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور روسی زبانوں میں موجود کتابوں، رسائل اور مجلات کا برابر جائزہ لیا جائے اور ان کی ضروری اصطلاحات کا عربی ترجمہ کیا جائے۔

AsliAhleSunnet.com

زوال کے اسباب علوم وفنون میں مسلمانوں کے زوال کے اسباب کی نشان دہی اس موضوع پر لکھنے والے اپنے اپنے نقطۂ نظر اور رجحان کی بنا پر کرتے ہیں، سب لوگوں کا اسباب کی تعداد اور نوعیت وترتیب پر متفق ہونا ضروری نہیں۔

لیکن یہ امر ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ جب ہم اس دور میں مسلم قوم کے علوم وفنون میں زوال کی بات کہتے ہیں تو اس سے قطعی طور پر ایسے علوم وفنون مراد ہوتے ہیں جن کو مدنی، عصری یا دنیوی علوم کا نام دیا جاتا ہے، کیونکہ جہاں تک شرعی علوم اور عربی زبان وادب کا تعلق ہے تو اس میں مسلمانوں پر زوال کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ بلکہ ان علوم کی بہتر سے بہتر سرپرستی مسلمانوں ہی نے کی ہے۔ اور اس دور میں انھیں معراج ترقی پر پہنچا دیا ہے۔ شرعی علوم اور عربی ادب وغیرہ پر اس وقت عرب یونیورسٹیوں میں جو کام ہوا ہے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ علمی ترقی کے موجودہ اصول ومزاج کو سمجھ کر مسلمانوں نے شرعی علوم کو آگے بڑھایا ہے۔

اسی طرح یہ امر بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اسباب کی تعیین وتحدید بھارت کی مسلم اقلیت کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے، پوری دنیا کے مسلمانوں پر ان کا انطباق ضروری نہیں کہ صحیح ہو، البتہ کچھ اسباب مشترک ہو سکتے ہیں۔

۱۔ سیاسی حالات کی تبدیلی

اسباب زوال میں میں نے پہلے نمبر پر سیاسی حالات کی تبدیلی کو اس لئے رکھا ہے کہ اس کا تعلق اقتدار اور قوت تنفیذ سے ہوتا ہے۔ اور کسی اچھائی یا برائی کا سرچشمہ تلاش کرتے ہوئے عام ذہن پہلے اقتدار اور خارجی حالات ہی کی طرف جاتا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں کسی معاملہ کی ذمہ داری اپنے آپ پر آنے کے بجائے دوسرے لوگوں پر آتی ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا دور حکومت طویل تھا، ان کا اقتدار انگریزوں کے ہاتھوں ختم ہوا جو یورپ سے ایک نئی مادی تہذیب اور سائنس کے نئے علوم کے ساتھ ہندوستان آئے تھے، انگریزوں کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات کی نوعیت دیگر اقوام کی بہ نسبت زیادہ خوشگوار نہ تھی، کیونکہ مسلمانوں نے

AsliAhleSunnet.com

انھیں سیاسی و مذہبی دونوں حیثیتوں سے ٹھکرا دیا تھا۔ خود انگریز بھی مسلمانوں کے معاملہ میں اندیشوں میں مبتلا تھے کیونکہ انھیں علم تھا کہ اسی قوم کو زیر کرنے کے بعد انھیں اقتدار و حکومت ملی ہے۔

تعلقات کی ناہمواری اور شکوک و شبہات بلکہ عداوت و عناد کی اس فضا میں فطری طور پر مسلمانوں نے اپنے آپ کو اس تعلیمی نظام اور مقاصد سے الگ رکھا جن کی سرپرستی اور نظم و ضبط کے مالک انگریز تھے دوسری طرف عصری علوم کی پالیسی کچھ اس انداز سے مرتب کی گئی تھی جس سے مسلمانوں کے مذہب اور ان کی تاریخ و تہذیب پر برے اثرات کا اندیشہ تھا۔ اس لئے مجموعی طور پر مسلمانوں نے سائنس کے علوم کو سیکھنے کی جانب زیادہ توجہ مبذول نہ کی۔ البتہ جب ان کے شبہات دور ہو گئے اور دینی تحفظ کے کچھ وسائل میسر ہو گئے تو مسلمانوں کے رویہ میں کچھ تبدیلی آئی۔

یہ حالت آزادی سے پہلے کی تھی ۱۹۴۷ء میں جب ملک آزاد ہوا تو فرقہ وارانہ فسادات کے نتیجہ میں مسلمانوں پر پھر مایوسی طاری ہو گئی اور وہ اپنے مستقبل کی تعمیر کے سلسلہ میں زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ ان میں جو باہوش اور فکرمند تھے انھیں بجا طور پر توقع تھی کہ تھوڑے دنوں کے بعد جب صورت حال بہتر ہو جائیگی تو آزاد ہندوستان میں ملت اسلامیہ کو بھی اپنی تعمیر و ترقی کے لئے تگ و دو کا موقع ملے گا، لیکن وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ فرقہ وارانہ فسادات کا سلسلہ بڑھتا رہا۔ امتیازی سلوک اور مذہبی تعصب کی کچھ ایسی مثالیں بھی سامنے آئیں جن کی بنا پر مسلمان اس اعتماد و وثوق سے محروم ہوتے چلے گئے جن کی تعمیر نو کے لئے ضرورت ہوتی ہے۔ آزادی کے بعد حکومت کی نوعیت بدل گئی، لیکن بے اعتمادی اور شکوک و شبہات کی وہ فضا ختم نہ ہو سکی۔ جس کا سامنا مسلمانوں کو انگریزوں کے دور میں کرنا پڑا تھا۔ عہد غلامی کے مقابلہ میں اس دور میں مسلمانوں نے تعلیمی میدان میں کچھ زیادہ کوشش کی۔ لیکن نتائج حوصلہ افزا نہیں رہے۔ مسلمان حاکم سے محکوم بنے۔ اور اس صورت میں جب انھیں ان کی محنت کا ثمرہ پورے طور پر نہ ملا تو فطری طور پر ان کے اندر مایوسی اور تعطل پیدا ہو گیا لیکن تعلیمی میدان میں جو کوششیں مسلمانوں کی طرف سے کی جا رہی ہیں ان کے پیش نظر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ موجودہ تعلیمی زوال کی عمر انشاء اللہ طویل نہ ہوگی۔

۲۔ محنت سے گریز

تعلیمی زوال کا ایک بنیادی سبب محنت و مشقت سے گریز ہے۔ مختلف سیاسی و سماجی وجوہ

AsliAhleSunnet.com

سے مسلم قوم کے اندر تن آسانی و آرام طلبی پیدا ہوگئی ہے۔ جیسا کہ قوموں کے دورِ زوال میں ہوتا ہے۔ اس علت کی وجہ سے مسلمان تعلیم کے ساتھ ساتھ دوسرے میدانوں میں بھی پسماندگی کا شکار ہیں۔

علم کی تحصیل، خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی، ایک بےحد محنت طلب اور صبر آزما فریضہ ہے۔ اس میدان میں آرزو یا تمنا سے کام نہیں چل سکتا۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ انسان اس راہ میں اپنی عزیز ترین چیزوں کو قربان کر دے ہ عربی کے ایک مقولہ میں کہا گیا ہے کہ علم کی راہ میں جب تک اپنا سب کچھ خرچ نہ کروگے علم کا کچھ حصہ نہ پاسکوگے۔

ملتِ اسلامیہ کے موجودہ حالات کا دیگر معاصر اقوام کے ساتھ تقابل کر کے اگر جائزہ لیا جائے تو حقیقت بڑی تلخ صورت میں سامنے آتی ہے۔ محنت و مشقت اور ذہنی کاوشوں کے میدان میں مسلمان دوسروں سے پیچھے ہیں۔ ان کی دلچسپیاں غیر مفید کاموں سے وابستہ ہیں۔ لیکن علم کے میدان میں تگ و دو سے انھیں گریز ہے، اور اس صورت حال کا لازمی نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ اسی ملک میں دوسرے لوگ اپنی محنت و مشقت کے نتیجہ میں تعلیمی میدان میں آگے بڑھ گئے ہیں جبکہ مسلمان ہاتھ پیر ہاتھ دھرے بیٹھا ہے۔

۳۔ علم کی اہمیت کا احساس نہیں

اسلام نے علم کو مسلمانوں کا فریضہ قرار دیا ہے۔ اور مختلف اسلوب و انداز سے اس کو سیکھنے کی تلقین کی ہے، مضمون کے شروع میں ہم نے اس طرح کی بعض چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن موجودہ مسلمان علم کی اس برتری اور فضیلت سے غافل ہے۔ اسی لئے اس راہ میں جدوجہد سے اسے گریز ہے۔ اسلام نے علم کو زندگی میں کامیابی و ترقی کا زینہ قرار دیا ہے۔ لیکن مسلمان اسے یہ درجہ دینے کو تیار نہیں۔

اسلامی تاریخ ہمارے سامنے ہے، ہر دور میں مسلمانوں نے علم پر توجہ دی، اور اس کو حاصل کرنے کے لئے اپنی عزیز ترین چیزوں کو قربان کیا۔ کیونکہ انھیں علم کی فضیلت و اہمیت کا اندازہ تھا۔ لیکن آج کا مسلمان علم سے بے نیاز نظر آتا ہے۔ اس کے سامنے ایسی مثالیں موجود ہیں کہ علم کے بغیر عزت و وقار حاصل نہیں ہوتا۔ اور نہ زندگی کے میدان میں انسان کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اس کی توجہ علم کی جانب مبذول نہیں ہوتی۔ اگر اس کے دل میں علم کا صحیح احساس ہو جائے تو یقیناً اس کے موقف

AsliAhleSunnet.com

میں تبدیلی ہوگی اور وہ علم کے لئے اپنی کوشش میں اضافہ کرے گا۔

۴ - دین سے بیگانگی

موضوع کا تعلق مسلمانوں کے زوال سے ہے۔ اس لئے لازمی طور پر اسلام کے ساتھ تعلق اور اس سے بے تعلقی کا موضوع زیر بحث آئے گا۔ مسلمان حقیقت میں وہی ہوگا جو اسلام کے احکام کا پابند اور کتاب و سنت کی پیش کی ہوئی شریعت کے مسئلہ میں باغیرت و باحمیت ہو، کیونکہ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلام عمل کا دین ہے۔ گروہ بندی اور حسب و نسب کی بنیاد پر اس مذہب کے ساتھ انتساب و تعلق کا دعوی بے قیمت ہے، اسلام کے مطابق عمل نہ ہو اور انسان اپنے آپ کو مسلمان سمجھے تو اس خوش فہمی کا فائدہ کچھ بھی نہ ہوگا۔

قرآن و حدیث کی بہت سی عبارتوں اور اسلامی تاریخ کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحیح طور پر اسلام کی پابندی سے دین و دنیا کے مسائل و معاملات کا حل پیدا ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ بغیر حرکت و کوشش مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ توکل کی غلط تفسیر میں کہا جاتا ہے۔ یا بعض لوگ صرف تعبدی پہلو پر زور دیکر بقیہ پہلوؤں کو نظر انداز کر دیکا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ بلکہ مدعا یہ ہے کہ انسان جب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اخلاص نیت کے ساتھ اس کی شریعت پر عمل کرتا ہے، اور کامیابی و ناکامیابی کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ ہی کے حوالہ کر دیتا ہے۔ نیز اس کی حاکمیت و تصرف پر پورا بھروسہ کرتا ہے تو اسے معاملات کو سمجھنے کی بصیرت، کاموں کا انجام دینے کا حوصلہ اور اچھے برے نتائج کو برداشت کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی، پھر کی میدان میں اگر کبھی ناکامی بھی ہوئی تو وہ ازسر نو اپنی کوشش کا آغاز کرتا ہے۔ اور کامیابی کے حصول تک اپنی تگ و دو جاری رکھتا ہے۔

دنیا میں عمل کے بغیر عزت و کامیابی نہیں، لیکن ایک مسلمان کے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلقات کی استواری کے بغیر کسی بھی طرح کی عزت و کامیابی کی کوئی حقیقت نہیں۔ دین کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کی نوعیت آج بیحد کمزور ہے۔ مسلمانوں میں صرف شرک و بدعت نہیں بلکہ الحاد و لادینی کے امراض بھی نمایاں ہیں۔ پھر یہ توقع کس طرح کی جا سکتی ہے کہ اسلام کے ذریعہ ہمیں کسی طرح کی سربلندی مل سکتی ہے۔ بہبود کا یہ تصور تھا

AsliAhleSunnet.com

کہ محض یہودی مذہب کی طرف نسبت سے ہمیں اللہ تعالی کی رضا مل جائیگی، لیکن اللہ تعالی نے قرآن کریم میں واضح فرما دیا کہ یہ تصور بالکل بے بنیاد اور گمراہی کا نتیجہ ہے۔ مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اسلام کی طرف زبانی نسبت کو کافی سمجھتے ہیں، لیکن اسلام نے جزا و سزا کے جس عادلانہ نظام کو پیش کیا ہے اس میں اس طرح کی کوئی گنجائش نہیں کہ صحیح عمل کے بغیر مسلمانوں کا کوئی مسئلہ حل ہو، جہاں مسلمانوں کو خیرامت کے لقب سے نوازا گیا ہے وہاں پر صاف الفاظ میں اخرجت للناس اور تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر" کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اس لقب کے مستحق اسی وقت بن سکیں گے جب وہ لوگوں کی فلاح و بہبود کو سامنے رکھیں اور بھلائی کا حکم دیں۔ نیز برائی سے روکیں۔ اسی طرح راہ یابی و ہدایت کو ان لوگوں کے لئے آسان بتایا گیا ہے جو راہ یابی و کامیابی کے لئے تگ و دو اور کوشش کرتے ہیں، ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے والوں کے لئے اس دنیا میں کوئی مقام نہیں۔

ملت کے مفکرین و مصلحین اس پہلو کی جانب بارہا توجہ دلا چکے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں جسے میں آپ کے سامنے بطور انکشاف پیش کر رہا ہوں، سرسید، شبلی، حالی، اقبال، اکبر اور دوسرے بہت سے زعماء و مصلحین کی تحریریں دیکھئے، ہر جگہ اس امر کی اہمیت دی گئی ہے کہ اسلام کی پابندی کے بغیر مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا تصور بے معنی ہے۔ لیکن اس تلخ حقیقت کو کیا کیا جائے کہ مسلمان عملی زوال کے جس مقام پر پہلے تھا وہیں اب بھی ہے بلکہ کچھ اور آگے ہی بڑھا ہے۔ جزئی طور پر کچھ اصلاح کے بھی آثار ہیں لیکن عام حالت وہی ہے جس کا ذکر ہم نے کیا ہے۔

۵۔ علوم کی بے بنیاد تقسیم

دینی احکام کی معرفت و واقفیت کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو کچھ علوم ایسے ہیں جن سے شریعت کے احکام کا علم ہوتا ہے۔ اور کچھ علوم اس معرفت کے لئے وسیلہ و ذریعہ بنتے ہیں۔ لیکن کچھ علوم ایسے بھی ہیں جن کا شرعی احکام کی واقفیت سے کوئی تعلق نہیں۔

ایسے علوم جن سے شرعی احکام کی واقفیت ہو یا وہ اس واقفیت کا ذریعہ بنیں، ہر مسلمان کی نظر میں اہم ہیں۔ اور ان کا سیکھنا مذہبی فریضہ ہے۔ لیکن ان کے علاوہ دیگر علوم بھی جن سے ملت

AsliAhleSunnet.com

کی بقا میں مدد ملے اور ان کے ذریعہ دین کی دعوت کو پھیلانے میں سہولت پیدا ہو مسلمانوں کے لئے ضروری ہیں۔ تہذیب وتمدن کے میدان میں دیگر قوموں کے مقابلہ میں مسلمانوں کو جن علوم سے سیادت و برتری حاصل ہو ان پر توجہ بھی مذہبی فریضہ ہے تاکہ اس میدان میں مسلمانوں کو پسماندگی ومحتاجی کا سامنا نہ کرنا پڑے، اور دوسری قوموں کے مقابلہ میں وہ محتاج ودست نگر نہ بن جائیں۔

علم کی یہ باضابطہ تقسیم و درجہ بندی تھی۔ اور اسی کے مطابق صدیوں تک مسلمانوں کا عمل اور کوشش تھی لیکن معلوم نہیں پچھلی صدیوں میں کہاں سے ان کے اندر علم کی دینی و دنیوی تقسیم کی بات آگئی۔ اور پھر دونوں قسموں کے سلسلہ میں ان کے الگ الگ رویے متعین ہو گئے۔

شرعی علوم کو دینی اور بقیہ علوم کو غیر دینی کہا گیا۔ اور اس تقسیم کی روشنی میں اول الذکر پر توجہ دی گئی اور دوسری قسم کو ناقابل اعتناء قرار دیا گیا۔ انگریزوں کے دور حکومت میں چونکہ سامراج نے ان علوم کو پھیلا کر اسلامی تہذیب وشریعت کو زک دینے کا مقصد سامنے رکھا اس لئے مسلمانوں نے ان علوم سے مزید دوری اختیار کرلی۔ اور یہ تصور نہ کرسکے کہ یہ علوم اصلاً اور بنیادی طور پر خود مسلم علماء ومحققین کی توجہ کا مرکز رہ چکے ہیں۔ اور ان سے مسلم معاشرہ کی اہم ضرورتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔

شرعی احکام کی واقفیت کا مسئلہ ہر دور کے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے تفسیر، حدیث اور عقیدہ وغیرہ کے علوم کی اہمیت ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ایک مسلم معاشرہ کو انجینیروں، ڈاکٹروں اور شہری ملازمتوں کے آفیسران کی بھی ضرورت ہے تاکہ مسلمانوں کی مختلف مصلحتیں وجود پذیر ہوں اور ان کی جان ومال و مذہب کا تحفظ ہو سکے۔ اس طرح کے حالات میں سائنس کے علوم پر توجہ اور ان کو سیکھنا ایک اہم دینی فریضہ ہوگا۔ جس کی تکمیل کی صورت میں بندہ کو عنداللہ اجر ملے گا۔

عہدِ غلامی میں سامراج دشمنی میں مسلمانوں نے یہ غور نہیں کیا کہ یہ تقسیم اسلامی مزاج سے ہم آہنگ نہیں۔ نہ ہمارے اسلاف کے رویہ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ بلکہ انھوں نے اس تقسیم کو قبول کرکے سائنسی علوم سے دوری اختیار کرلی۔ اور دوسرے اس میں آگے بڑھتے رہے۔ حالانکہ فرض یہ تھا کہ باقاعدہ افراد کو تقسیم کرکے دونوں شعبوں پر توجہ دی جاتی۔ اور سائنس کے میدان میں پسماندگی کو دور کرنے کی کوشش کیجاتی۔ اس مسئلہ کو خراب کرنے یا الجھانے میں کسی طبقہ کی کوتاہ نظری، کسی طبقہ کے غلو اور کسی طبقہ کی ضد و عناد کا دخل رہا۔ لیکن اب

AsliAhleSunnet.com

وقت گذر چکا ہے۔ اس لئے اس داستان کو دہرانے یا کریدنے سے فائدہ نہیں۔ لیکن مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ شرعی علوم کے ساتھ ساتھ ایسے تمام علوم وفنون کا مقابلہ ضروری ہے جن کے ذریعہ تہذیبی دوڑ میں دوسری قوموں کا مقابلہ کیا جائے، اور جن سے اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ میں مدد مل سکے۔

۶- باہمی اتحاد و تعاون کا فقدان

مسلمانوں کے دینی تعلیمی ادارے مسلک وجماعت کی بنیاد پر قائم ہیں۔ اور نصاب تعلیم وغیرہ میں بڑی حد تک ہر مدرسہ اسی مسلکی روح ومزاج کا پابند ہے۔ ایسی صورت میں دینی مدارس کے مابین کسی بین جماعتی اتحاد وتعاون کا تصور دشوار اور دینی تعلیم کے میدان میں کسی سوچے سمجھے متحدہ منصوبہ کو نافذ کرنا مشکل نظر آتا ہے۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ کسی ایک جماعت ومسلک کے اداروں کے مابین بھی ایسی تنظیم یا اتحاد نظر نہیں آتا جس کی ضرورت ہے ایک ہی مقام پر مختلف چھوٹے بڑے ادارے اس طرح قائم ہیں کہ ان کی ضرورت وافادیت محل نظر ہے۔ کیونکہ ہر مدرسہ کا دائرۂ عمل اور اغراض ومقاصد تقریباً یکساں ہیں، اگر ان میں منصوبہ بندی اور تعاون ہوتا تو متعدد اداروں کے بجائے کسی ایک یا دو ادارے سے مختصر بجٹ میں وہی فوائد حاصل ہوتے جنھیں کئی ایک مدرسوں کے ذریعہ حاصل کرنے کی کوشش کیجاتی ہے۔

فقہی مسلک کی اشاعت وتعصب دینی مدارس کے مابین وسیع پیمانے پر منصوبہ بندی وتعاون کی راہ میں حائل نظر آتا ہے۔ لیکن مدنی وعصری علوم کے سلسلہ میں اس طرح کی کوئی رکاوٹ یقیناً موجود نہیں ہے، پھر بھی مسلمان عصری علوم کی تحصیل وتدریس کی راہ میں متحد نہیں ہو پاتے، کہیں مسلکی اختلاف رکاوٹ ہے، کہیں ذات برادری کے محرکات ہیں اور کہیں اقتدار وبالادستی کی تمنائیں اور اسطرح عصری علوم کے میدان میں مسلمان منصوبہ بندی وتعاون کی برکتوں سے محروم ہیں۔

تعجب انگیز امر یہ ہے کہ تجارت وکاروبار کے معاملہ میں ایک مسلک سے تعلق رکھنے والا انسان دوسرے مسلک کے لوگوں بلکہ دوسرے مذہب کے لوگوں کے ساتھ کھلے طور پر تعاون کرتا ہے اور ساتھ مل کر دونوں طرح کے لوگ کسب معاش کرتے ہیں۔ لیکن دینی یا عصری تعلیم کے میدان میں ان کے مابین تعاون نہیں ہو پاتا۔ اس کی وجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ تعلیمی میدان میں باہمی تعاون کی اہمیت وافادیت سے مسلمان غافل ہے

AsliAhleSunnet.com

بیں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ دینی تعلیم کی تنظیم و اشاعت کی حد تک ہندوستانی مسلمانوں کی کارگذاری اطمینان بخش ہے البتہ سائنس کے علوم میں وہ پیچھے ہیں۔ اس پسماندگی کو دور کرنے کے لئے اگر ایسا کیا جاتا کہ ضرورت کے مطابق قوم دونوں طرح کے اداروں پر توجہ دیتی۔ اور دینی اداروں کی طرح ایک مستقل مالی فنڈ عصری تعلیمی اداروں کے لئے بھی مخصوص کیا جاتا تو صورت حال اتنی ناگفتہ بہ نہ ہوتی۔ عرب ملکوں میں چونکہ فنڈ کی فراہمی کا مسئلہ حل ہے اس لئے وہاں پر عصری علوم کے میدان میں کوششوں کا سلسلہ جاری ہے اور اس کے اچھے نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں۔ لیکن ہمارے پاس چونکہ عصری علوم کے لئے کوئی فنڈ نہیں، اور مسلمان اہل خیر ان علوم پر خرچ کرنے کو ضروری نہیں سمجھتے اس لئے عصری تعلیم میں مسلمانوں کی پسماندگی ختم نہیں ہو پا رہی ہے۔

تعاون و اتحاد کے سلسلہ میں یہ بات بھی اہم ہے کہ ملت کے "دو" اہم تعلیم یافتہ طبقوں کے مابین تبادلۂ خیال و مشاورت نہیں ہے۔ ایک طبقہ علماء دین کا، اور دوسرا عصری علوم کے ماہرین کا۔ امت کی فکری تربیت و رہنمائی انھیں دونوں طبقوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور امت انھیں کی جانب رجوع کرتی ہے۔ مگر دونوں طبقے ایک دوسرے کے احساسات و خیالات سے بڑی حد تک ناواقف ہیں۔ اگر یہ دونوں طبقے باہمی مشورہ سے امت کی رہنمائی کرتے اور اسے تعلیمی میدان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے تو عین متوقع تھا کہ ملت عصری علوم کی جانب بھی توجہ کرتی اور دینی علوم کی طرح اس میدان میں بھی آگے بڑھتی۔

۷۔ طلباء کی تعلیم میں کمزوری

مسلمانوں کے سلسلہ میں ایک شکایت یہ ہے کہ وہ سائنس کی تعلیم کی طرف متوجہ نہیں۔ مسلم طلبہ یا تو تعلیم ہی نہیں حاصل کرتے یا ادبی علوم کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح سائنس کے علوم میں ان کی پسماندگی بڑھتی جا رہی ہے۔

یہ بات بڑی حد تک صحیح ہے، مسلمانوں کا رجحان عصری علوم کی طرف کم ہے، اور سائنس کی طرف اور بھی کم ہے۔ لیکن مشاہدہ یہ بھی ہے کہ جو مسلم طلبہ سائنس کی تعلیم سے منسلک ہیں ان کے نتائج بڑی حد تک مایوس کن ہیں۔ محنت کی کمی، ماحول کی ناہمواری اور ماہرین علوم سائنس کی طرف سے مشق و رہنمائی کی عدم فراہمی کے باعث مسلم طلبہ سائنس کی تعلیم میں اچھے ثمرات حاصل نہیں کر پاتے۔ ضرورت ہے کہ جو مسلم طلبہ سائنس کی تعلیم سے وابستہ ہیں ان کے تفوق و برتری کے وسائل پر

AsliAhleSunnet.com

بھی غور کیا جائے، تاکہ اس میدان میں وہ دوسروں سے پیچھے نہ رہیں۔ مصر کے دورانِ قیام میں مجھے وہاں کی نصرانی اقلیت کے متعلق یہ بات معلوم ہوئی کہ نصرانی طلبہ کی مدد اور کوچنگ کے لئے وہاں کے گرجوں میں باقاعدہ تعلیم کا انتظام ہے، جو طلبہ اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہیں انھیں باقاعدہ اس بات کا موقع دیا جاتا ہے کہ گرجوں کے مدارس و مراکز میں آکر ماہر اساتذہ کی رہنمائی حاصل کریں، اور جن مضامین میں کمزوری محسوس کرتے ہیں ان کو دوبارہ باقاعدہ پڑھیں۔ اس نظام کا باقاعدہ فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بہت کم نصرانی طلبہ اپنے مضمون میں کمزور رہتے ہیں۔

ملت کے ماہر اساتذہ اور سائنس کے مدرسین اگر اس پہلو کی جانب توجہ مبذول فرمائیں اور مسلم طلبہ کی تربیت و کوچنگ کے لئے کوئی عمدہ نظام قائم کریں تو یقیناً موجودہ پسماندگی کو دور کرنے میں مدد ملیگی اور سائنس کی تعلیم سے منسلک طلبہ کا مستقبل تابناک ہو جائے گا ■

ڈاکٹر عبداللہ قادری استاذ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی

جامعہ میں تشریف آوری

۱۰ ذی قعدہ ۱۴۰۹ھ کو محترم ڈاکٹر قادری صاحب بنارس تشریف لائے، موصوف کا یہ سفر دعوت و تبلیغ سے متعلق اپنی تحقیقی کتاب کی تیاری سے متعلق تھا، موصوف نے دعوت و تبلیغ کی حکمت وافادیت سے متعلق کل ۱۸ سوالات پہلے سے مرتب فرما لیا تھا، جن کے جوابات انھیں علمائے اسلام سے مطلوب تھے، اس کے علاوہ ۱۵ سوالات ہندو مذہب اور اس سے متعلق دیگر مذاہب و نظریات سے تھے۔

اساتذہ جامعہ سلفیہ کی ایک ہنگامی اجتماع میں موصوف کی منشا کے مطابق مذکورہ سوالات پر غور و فکر کے بعد مختصر جواب تیار کیا گیا جسے موصوف اپنے ساتھ لے گئے، موصوف نے جامعہ کے مختلف شعبوں کو دیکھا اور جامعہ کی کارگذاری پر اپنی مسرت کا اظہار کیا۔

(ادارہ)

AsliAhleSunnet.com

فکرِ شاعر اور امرِ واقعہ

شاعری کا فن تعبیر و تاثیر کے لحاظ سے بیحد ممتاز ہے، اگر تعمیری جذبہ اور صحیح نیت کے ساتھ اس سے کام لیا جائے تو بڑے فوائد مرتب ہو سکتے ہیں، اور اگر اسے تخریب کا ذریعہ بنایا جائے تو اسکی ہلاکت آفرینیاں حد و حساب سے باہر نکل سکتی ہیں۔ پچھلے کسی وقت میں دہلی کے ایک ماہنامہ میں ایک نظم شائع ہوئی تھی۔ ہر چند کہ شان ورود قدیم بتائی گئی، اور موجودہ وقت میں اس کی اشاعت کو "انتخاب کی غلطی" سے تعبیر کیا گیا، پھر بھی پڑھنے والوں کو اس سے جماعتی ترقی کے بہت سے رخ نظر آئے، اور جماعت کے بعض "خادموں" کی پوزیشن صاف کرنے کا بہانہ میسر ہوا۔ اس نظم کے درج ذیل شعر پر:

یہ قائدین نے قحط الرجال کا شوشہ

بڑھا دیا ہے فقط زیب داستاں کے لئے

اداریہ بھی لکھا اور اپنی دانست میں تمام جماعتی امراض کی ایسی نشاندہی کر دی کہ اس موضوع پر کسی طرح کی تشنگی کا شکوہ جاتا رہا۔

"قحط الرجال" کی اضافی ترکیب میں شاید افراد کی کسی خاص نوعیت کے فقدان کا شکوہ یا رونا تھا، لیکن شاعر نے اسے عام مفہوم میں لیکر "زیبِ داستاں کے لئے قائدین کا شوشہ" قرار دیا ہے۔

اس ترکیب کو قائدین اگر زیبِ داستاں ہی کے لئے استعمال کرتے اور دہراتے ہیں تو بلاشبہ یہ ان کی غلطی یا جماعت سے عدم اخلاص ہے، لیکن تعجب ہے کہ آج سے پچاس ساٹھ برس قبل بھی جماعت کے

AsliAhleSunnet.com

بزرگوں کی جانب سے اس طرح کی بات کہی گئی ہے۔ معلوم نہیں شاعر اسے بھی "شوشۂ زیب داستاں" قرار دیں گے یا امر واقعہ کا اظہار؟

نمونہ کے طور پر دو تحریریں مع تاریخ پیش خدمت ہیں:

۷ محرم ۱۳۴۹ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۳۰ء کے اخبار محمدی دہلی ص ۱۳ پر مولانا قاضی محمد سلیمان پٹیالوی رحمہ اللہ کی خبر وفات کے ضمن میں تحریر ہے:

"دل رو رہا ہے اور مولانا کی پاکیزہ بیانی خوش اخلاقی رہ رہ کر یاد آرہی ہے۔ اہلحدیثوں کو اس قحط الرجال کے زمانے میں یہ زبردست صدمہ پہونچا ہے۔ تہ دل سے دعا ہے کہ اس بحرِ علم کو بحرِ رحمت کے پانی سے غسل دے اور کنزِ علم کو کنوزِ جنت عطا فرمائے۔

۸ محرم ۱۳۴۹ھ کے اخبار اہلحدیث امرتسر ص ۱۵ پر مولانا قاضی محمد سلیمان پٹیالوی رحمہ اللہ ہی کی خبر وفات کے ضمن میں تحریر ہے:

آہ! ہم تو جناب حافظ عبداللہ صاحب غازیپوری رحمہ اللہ اور مولانا رحیم آبادی رحمہ اللہ مرحومین کے بعد قاضی صاحب رحمہ اللہ ہی سے انس پاتے تھے، آج ہماری نظر میں کوئی نہیں جس کو کہیں: اجلس بنا نؤمن ساعۃ"

(بخاری)

AsliAhleSunnet.com

JULY 1989 Vol. VII - No. VII

MOHADDIS

THE ISLAMIC CULTURAL & LITERARY MONTHLY MAGAZINE

مطبوعات جامعہ سلفیہ

ماسونیت

ایک تاریخی دستاویز

ترجمہ

عبدالوہاب حجازی

تقدیم ومراجعہ

ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری

قیمت Rs 16/۰۰

مکتبہ سلفیہ ، ریوڑی تالاب ، وارانسی

Published by: Abdul Auwal Ansari, on behalf of Darut-Taleef Wat-Tarjama
and Printed at Salafia Press, B. 18/1 G. Reori Talab, Varanasi
and Published at B. 18/1 G. Reori Talab, Varanasi. Editted by : A.W H.

AsliAhleSunnet.com